تصوف اور مولانا مناظر احسن گیلانیؒ

Manazer Ahsan Gilani on Sufism

(A Comparative Study of Muslim Scholars)

Ishtiaq Ahmad Gondal, Assistant Professor
Sheikh Zayed Islamic Center, University of the Punjab, Lahore

Amanullah Rathore, Assistant Professor
Government College Duska, District Sialkot, Pakistan

Abstract

In the article it is told that self purification is a very important factor if a person wants to live peaceful and according to the wishes of almighty Allah. Therefore in every period of history people have adopted different methods or thinking to seek that goal of self purification. Some Muslim philosophers like Moulana Manazir Ahsan Gilani were much influenced of Sufism. They believed that Sufism is a better medium to get piety. Some of his writings it is reflected that he has inclination towards Sufism, although it is not shown in his practical life. In the article it is also analyze that how Moulana Gilani is different in teachings to the other Muslim scholars or spiritual leaders. It is also worthwhile to say that Islam emphasize that those people are successful who have purified their heart and mind which is called self purification. For that purpose Islam also has given teachings and practices to get that status, so it is simple to say that Sufism is not a Islamic term. A true Muslim should adopt the ways and teachings of the prophet Muhammad (peace be upon him) to get the status of Ehsan, while anything which is against or deviate the teachings of Quran And Sunnah is a sin whether it is in the name of Sufism.

Keywords: Manazer Ahsan Gilani; Sufism; Mysticism

اسلام میں تصوف کا تصور جداگانہ ہے۔ اگرچہ ایک طبقہ اسی طرح کے تصوف کا قائل ہے۔ جس میں ترک دنیا، اور غیر شرعی حرکات کے کر لینے سے وہ روحانیت جنم لیتی ہے۔ جو تصوف کی معراج ہے۔ لیکن اسلام نے لا رھبانیة فی الاسلام کا تصور

دے کر اس کو ایک نیا رنگ دیا ہے۔ عہد رسالت مآب ﷺ میں یہی دستور تھا۔ جہاد ان کے نزدیک تصوف کی معراج تھی۔ اسلام میں اگر ترک دنیا ہے تو صرف جہاد کے لیے گھر بار چھوڑنا ہے۔ تاکہ اللہ کا دین پوری دنیا پر غالب آجائے۔ توحید اور حسن خلق چیزیں تصوف کی روح رواں بتائی جاتی ہیں یہ دونوں چیزیں اعلیٰ درجہ پر اسلام میں پائی جاتی ہیں۔ اس لیے متبعین اسلام کے سوا جو کوئی تصوف کا دعویٰ کرلے وہ لاف وگزاف ہے۔ (۱)

عہد خلافت راشدہ میں بھی تزکیۂ نفس اور تربیت کا عمل جاری رہا۔ صحابہ کرامؓ جہاد اور اخلاق میں تربیت کو لازم سمجھتے تھے۔ خواجہ ابوالنصر سراج نے کتاب اللمع میں شیخ اکبر ابن عربی نے فتوحات مکیہ باب ۹۳ میں حضرت ابوبکر کو امام المدینہ قرار دیا۔ (۲) حضرت عمرؓ نے نہایت جانفشانی اور دیانت سے امور حکومت کو سرانجام دیا۔ **سارية الى الجبل** والی بات آپ ہی کے ساتھ مذکور ہے۔ یہ ان کی روحانیت کی دلیل ہے۔ حضرت عثمانؓ نے اپنے دور میں تمام مشکلات کا مقابلہ کرتے ہوئے اللہ کی وحدانیت کو پروان چڑھایا۔

عہد خلافت کے بعد کے دور میں تصوف زیادہ پروان چڑھا۔ اس قرن کے آخر میں تصوف حرف عبادت در یاضت رہ گیا تھا۔ صوفیہ نے تمام ملکی وملّی خدمات سے دستکش اختیار کرلی تھی اور تحصیل علم پر بھی ان کی توجہ کم ہوگئی تھی۔ لیکن سب ایسے نہ تھے بعض سچے صوفی صحابہ وتابعین کے نقش قدم پر چلتے ہے۔ (۳)

دوسری تیسری صدی ہجری میں زیادہ عباد کا گروہ جسے صوفی کہا جاتا تھا۔ صرف عبادت ودریاضت میں مشغول رہا تھا۔ یہ لوگ سیاسی اور ظاہری اصلاحی امور سے علیحدہ رہتے تھے۔ رفتہ رفتہ ان میں علم کی کمی بھی ہوتی گئی۔ بہت سے کم علم اور بے علم صوفی پیدا ہوگئے۔ اسلام میں پہلا شخص جسے صوفی کا لقب دیا گیا ابو ہاشم عثمان بن شارک کوفی (م: ۱۶۰ھ/۷۷۶ء) (۴) اور بعض لوگ جابر بن حیان کوفی کو پہلا صوفی قرار دیتے ہیں۔ (۵)

اے جے آربری کے مطابق خراسان تحریک کا اہم مرکز قرار پایا۔ (۶) جو اسلام سے پہلے بدھ مت کا اہم مرکز رہا۔ ابراہیم بن ادھم نے تصوف کی روایت کو آگے بڑھایا۔ اسی دور کے صوفیاء میں حضرت اویس قرنیؒ حضرت محمد واسعؒ، حضرت حسن بصریؒ، رابعہ بصریؒ، داؤد طائی، حضرت حبیب عجمی، حضرت خواجہ فضیل بن عباس، حضرت ابراہیم ادھم وغیرہ شامل ہیں۔ صوفیاء کا دوسرا گروہ اس وقت سامنے آیا جب یونانی اور عقلی علوم کی بدولت اسلامی معاشرے میں بھی خودافروزی کی شمع روشن ہوئی، اس دور کے صوفیا میں حضرت ابوسعید احمد بن عیسیٰ الحراز، حضرت بایزید بسطامیؒ، حضرت جنید بغدادیؒ، منصور حلاج، ابوعبداللہ حارث بن الحاسی، حضرت ذوالنون مصری، حضرت معروف کرخی، القنطری اور حضرت سری سقطی قابل ذکر ہیں۔

اسلامی تصوف کا تیسرا عہد وہ ہے کہ جب مسلمانوں کی مسلسل فتوحات نے بہت سے ممالک کو ان کے زیر نگیں کردیا دوسری اقوام کے ساتھ اختلاط کی وجہ سے بہت سے ایسے مسائل پیدا ہوئے۔ جن کو حل کرنے کے لیے اجتہاد وفکر کی ضرورت

تھی۔ چنانچہ فقہ کی تدوین کا کام شروع ہوا اس کے بعد اجتہاد کا دروازہ بند ہوگیا تو لوگوں نے گمراہی کا راستہ اختیار کرلیا۔ان حالات میں صوفیاء کا وہ طبقہ سامنے آیا جس نے مذہب کی حقیقی روح کو بیدار کرنے کی کوشش کی۔ان میں شیخ ابوسعید ابن العربی (م:۹۵۲ء) شیخ ابومحمد الخلدی (م:۹۵۹ء) شیخ ابونصر سراج (م:۳۷۸ھ/۹۴۴ء) شیخ ابوطالب مکی (م:۳۸۶ھ/۹۹۶ء) شیخ ابوبکر (م:۱۰۰۰ء) اور ابوعبدالرحمان (م:۴۱۲ھ/۱۰۰۲ء) خاص طور پر اہم ہیں۔گیارہویں صدی عیسوی کے مشہور صوفیاء میں شیخ ابونعیم اصفہانی (م:۱۰۳۸ء) شیخ ابوالقاسم قشیری (م:۴۵۵ھ/۱۰۷۲ء) شیخ علی ہجویری (م:۴۷۲ھ/۱۰۷۹ء) شیخ عبداللہ تیرھوی صدی عیسوی تصوف سے منسلک زیادہ تر لوگوں کا تعلق شاعری سے تھا۔ان صوفی شعراء میں مولانا روم، شیخ سعدی، عراقی، اوحدی قابل ذکر ہیں۔علامہ اقبال کے مرشد روحانی حضرت مولانا جلال الدین رومی ایک ایسے صوفی شاعر ہیں جن کی شہرت وعظمت پوری دنیائے ادب وتصوف میں مسلم ہے۔(۸)

تصوف کے مشہور اور مرکزی سلسلے اگرچہ ہندوستان سے باہر پیدا ہوئے۔لیکن ان کو سب سے زیادہ فروغ اور مقبولیت (ہندوستان کے مخصوص حالات اور ہندوستان کے ضمیر ومزاج کی وجہ سے) ہندوستان میں ہی حاصل ہوئی۔کئی سلاسل پیدا ہوئے۔ان میں مشہور سلاسل یہ ہیں۔طریقہ قادریہ، طریقہ چشتیہ، طریقہ نقشبندیہ، طریقہ سہروریہ شامل ہیں۔(۹)

سلسلۂ چشتیہ کے بانی خواجہ ابواسحاق شامی ہیں یہ سب سے قدیم سلسلہ ہے۔برصغیر پاک وہند میں یہ چھٹی صدی ہجری میں خواجہ معین الدین اجمیری کے ذریعے پہنچا۔آگے قطب الدین بختیار کاکی، فریدالدین مسعود گنج شکر، شیخ راجو قتال وغیرہ قابل ذکر ہیں۔(۱۰) سلسلہ قادریہ شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی سے منسوب ہے۔ ہندوستان میں یہ سلسلہ خواجہ محمد باقی معروف خواجہ باقی باللہ سمرقندی کابلی نے پہنچایا۔شیخ احمد فاروق سرہندی کی نسبت سے اس کی ایک شاخ سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کہلوائی۔سلسلہ سہروردیہ کی بنیاد شیخ ضیاء الدین ابوالخیب عبدالقاہر سہروردی نے رکھی۔ برصغیر پاک وہند میں قاضی حمیدالدین گوری نے اور ملتان سے شیخ بہاءالدین ذکریا نے اسے خوب پھیلایا۔آگے اس کو شیخ جلال الدین سرخ بخاری، شیخ حسام الدین، متقی ملتانی، خواجہ حسن افغان، صدرالدین عارف، شاہ رکن الدین عالم شاہ داتا شہید شیخ حسین وغیرہ نے پڑھایا۔(۱۱) برصغیر پاک وہند میں تصوف کا ذکر ہوگا تو پھر شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی، فضل الرحمٰن گنج مرادبادی کا نام بھی لیا جائے گا۔

تصوف کے موضوع پر کام کرنے والی شخصیات اور صوفیاء کا تذکرہ ہوا۔اس موضوع پر جو مباحث اور کتب موجود ہیں۔ان کو درج ذیل عنوانات کے تحت بیان کیا جاسکتا ہے۔

(۱) تصوف کی اصولی کتابیں مثلاً ابونصر سراج، کتاب اللمع، القشیری، الرسالۃ، ابوطالب، قوت القلوب اور ابن عربی، فصوص الحکم وغیرہ

(۲) صوفیوں کے تذکرے، مثلاً ابونعیم الاصفہانی: حلیۃ الاولیاء اور فرید الدین عطار: تذکرۃ الاولیاء۔
(۳) ملفوظات واقوال اولیائے کرام، مثلاً فارسی میں حسن سنجری، فوائد الفواد، امیر خسرو افضل الفوائد: میر خورد کرمانی: سیر الاولیاء اور حکایات صالحین وغیرہ
(۴) اصطلاحات الصوفیہ: مثلاً الکاشانی کی کتاب
(۵) شروح اور حواشی
(۶) مجالس کی کتابیں مثلاً ابن الجوزی (م: ۵۹۷ھ/۱۲۰۱ء) مجالس نیز طریقوں کی خاص کتابیں اور آداب المریدین۔
(۷) اخلاق کی کتابیں۔ مثلاً کیمیائے سعادت
(۸) تفاسیر بطریق صوفیہ وغیرہ
(۹) سطحیات، مناجاتیں اور دیگر منظومات۔ (۱۲)

خدماتؒ کا تعارف:

بعض لوگ مولانا گیلانیؒ کو ''صوفی'' کہتے ہیں۔ ان کا فطری رجحان بھی اسی بات کی غمازی کرتا ہے۔ تصوف پر ان کا کام بہت نمایاں ہے۔ اگر ان کی اس موضوع پر خدمات کا جائزہ لیا جائے تو ایک ضخیم کتاب کے کے علاوہ ان کے کئی مضامین شائع ہو کر سامنے آ چکے ہیں۔

۱۔ مقالاتِ احسانی — صفحات ۴۹۶ تقطیع ۲۰x۲۶ شائع کردہ، ادارہ مجلس علمی، کراچی (۱۳)
۲۔ کائنات روحانی — صفحات ۳۵۔ شائع کردہ کتب خانہ القاسم دار العلوم دیوبند
۳۔ علم کلام اور تصوف کا صحیح مقام — مقالہ شائع شدہ، صدق لکھنؤ، ۲۱ نومبر ۱۹۳۵ء، ۲۰/۱
۴۔ تقریظ۔ مراقبات — ڈاکٹر میر ولی الدین کی کتاب ''مراقبات'' پر تقریظ۔ شائع کردہ۔ معارف، اعظم گڑھ۔
۵۔ اکابر تصوف کا تصوف — سچ لکھنؤ، ۱۶ دسمبر ۱۹۳۲ء جلد ۸ شمارہ ۴۹
۶۔ سچی باتیں — صدق جدید لکھنؤ، ۲۴ اگست ۱۹۵۱ء
۷۔ شیخ اکبر محی الدینؒ ابن عربی کا نظریۂ علم — ماہنامہ معارف اعظم گڑھ (دہلی) فروری، مارچ ۱۹۴۵ء (دو اقساط)
۸۔ ہندی تصوف اور ہندوستانی صوفیا — پاک و ہند میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم و تربیت میں ایک موضوعاتی مقالہ

تصوف پر مولانا گیلانیؒ کی خدمات کا جائزہ:

تصوف پر مولانا گیلانیؒ کے کام کا جائزہ لیا جائے تو ''مقالاتِ احسانی'' ایک ایسی تصنیف ہے۔ جو ان کے مختلف ادوار میں شائع ہونے والے تصوف پر مبنی مضامین و مقالات کا مجموعہ ہے۔ اس کے علاوہ ''کائنات روحانی'' ان کے افکار اور

روحانیت پر مبنی ان کے رجحان کو بڑے اچھے انداز سے ظاہر کرتی ہے۔ان کے علاوہ دوسرے مقالات میں بھی تصوف پر مبنی ان کے مضامین ملتے جلتے ہیں۔ذیل میں ان کی خدمات کا مکمل تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

مقالات احسانی:

یہ مولانا مرحوم کے چھ مقالات کا مجموعہ ہے۔ یہ مقالات پہلے ہندوستان کے مختلف علمی رسالوں میں وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے۔ بعد میں مولانا کے تلمیذ رشید غلام محمد کی توجہ سے کتابی شکل میں ان کا مجموعہ مقالاتِ احسانی کے نام سے سامنے آیا ان تمام مقالات میں تصوف کے مختلف پہلوؤں پر مولانا نے روشنی ڈالی ہے۔اور عمیق النظر عالمِ دین اور رمز شناس تصوف کی حیثیت سے بحث کی ہے۔امام غزالیؒ کے عہد اور اس کے ماقبل و مابعد پر بحث کرتے ہوئے بڑا اچھا تاریخی ذخیرہ مولانا نے جمع فرمادیا ہے۔ابن تیمیہؒ کے نظریہ مخدومیت پر بھی بہت دلپذیر بحث کی ہے۔اور کرامات اولیاء کو ثابت فرمایا ہے۔ شیخ اکبر اور امام احمد بن حنبلؒ نے سلوک و تصوف پر جو احسان فرمایا ہے اس کا تذکرہ بھی بہت مؤثر انداز میں آپ نے کیا ہے۔
اس کتاب میں جو مقالات شامل ہیں وہ یہ ہیں:

۱۔ تصوف کے دو طریقے ۲۔ طریقۂ غزالیہ
۳۔ اختلافِ سلاسل کی حیثیت ۴۔ طریقہ اشغال مطلقہ یا اطلاقی تصوف
۵۔ ابن تیمیہؒ کا نظریہ مخدومیت ۶۔ مجالس الشیخین یا دل کا چین (۱۴)

مولانا سعید احمد اکبر آبادی نے مقالاتِ احسانی پر تبصرے میں لکھا تھا۔

"مولانا گیلانی کا قلم کیا تھا ایک ابر گہر بار تھا کہ جس موضوع کی طرف رخ کیا تحقیق و اکتشافات، اسرار و حقائق اور علم و فکر کے چمن کھولتا چلا گیا۔ایک مرتبہ تصوف کی طرف متوجہ ہوئے تو اطلاقی تصوف کے نام سے ایک نہایت بیش قیمت اور بصیرت افروز مقالہ اور شرعی حیثیت اور ان کے باہمی اختلافات کے وجوہ اسباب کے تجزیہ و تحلیل کے بعد یہ ثابت کیا کہ تصوف کی اصل غرض و غایت اس صفت احسان کا پیدا کرنا ہے جس کا ذکر قرآن میں ضمناً و اشارۃً اور حدیث میں بلا واسطہ اور صراحتہً ہے اور اس صفت کا حصول تصوف کے مروجہ طریقوں کے اوپر موقوف نہیں ہے۔ صفتِ احسان کے حصول کا یہ طریقہ دل و جان سے احکام شریعت کی پابندی ہے۔مولانا نے اس کا نام اطلاقی تصوف رکھا ہے۔'' (۱۵)

کائنات روحانی:

یہ مقالات ربیع الاول ۱۳۴۵ھ/۱۹۲۶ء میں مولانا گیلانیؒ کے قلم سے لکھے گئے جو بعد میں کتابی شکل میں ''کائناتِ روحانی'' کے نام سے شائع ہوئے۔ ماہنامہ دارالعلوم دیوبند سے دسمبر ۱۹۸۴ء اور جنوری ۱۹۸۵ء کے شماروں

میں شائع ہو چکے ہیں۔

یہ کتاب عجیب البیلے اور منفرد انداز میں لکھی گئی ہے۔ مطالعہ کرتے ہوئے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مولانا گیلانیؒ کے قلم میں جوش ہے۔ مگر جذب کی کیفیت لیے ہوئے ان کا ذہن اس کے پیچھے کارفرما ہے۔ اس کتاب کے اندر درج ذیل نظریات پر بحث کی گئی ہے۔

نمبرا۔ قرآن مجید ایک مستقل عالم ہے۔ اور کائنات مادی کے مقابلے میں اس کے آیات وسور کائنات روحانی ہیں۔

نمبر۲۔ قرآن مجید اس طرح مجمل ہے۔ جس طرح مثلاً زمین مجمل ہے۔ پھر جس طرح انسان کی تمام جسمانی ضروریات اس زمین سے نکلتے ہیں۔ اسی طرح روحانی ضروریات قرآن سے پورے ہوتے ہیں۔

نمبر۳۔ قرآن مجید کی آیات میں بعض اوقات جو بے ربطی پیدا ہو جاتی ہے، اسکی کیا وجہ ہے۔

نمبر۴۔ قرآن مجید سے بعض لوگ کیوں گمراہ ہو جاتے ہیں۔

نمبر۵۔ مسلمانوں کی موجودہ تباہیوں کا راز کیا ہے؟ (۱۶)

تصوف اور مولانا گیلانیؒ کی ذات:

مولانا ظفیر الدین مفتاحی لکھتے ہیں کہ

"مولانا گیلانیؒ کو قدرت کی طرف سے جو دل عطا کیا گیا تھا، وہ بہت پاکیزہ صاف ستھرا، اور نفس ونفسانیت سے خالی تھا۔ پھر تربیت پائی مولانا نے مولویانہ ماحول اور عالم خاندان میں، اس نے اور بھی نکھار کر دیا پھر جس دور میں آپ پیدا ہوئے وہ آج کے دور سے بہت مختلف اور اخلاق واخلاص سے بھرپور تھا۔ انسانوں میں عام طور پر خوف وخشیتِ الٰہی طبعاً پائی جاتی تھی، ابتدائی اور انتہائی تعلیم کے زمانے میں ایسے اساتذہ حصہ میں آئے جو اخلاص عمل اور للّٰہیت میں بڑا اونچا اور امتیازی مقام رکھتے تھے ان کی صحبت اور تعلیم وتربیت نے بھی مولانا کے باطن کو جلا بخشنے میں بخل سے کام نہیں لیا" (۱۷)

مولانا گیلانیؒ خود لکھتے ہیں:

''امام غزالی کی کتاب احیاء العلوم کے مطالعہ نے بڑا کام کیا اور قلب ودماغ اور ظاہر وباطن کو بدل کر رکھ دیا'' (۱۸)

لیکن بغیر رہنمائی کے منزل کی رسائی جس طرح بعض اوقات ناممکن ہو جاتی ہے۔ اسی لیے مولانا گیلانیؒ نے بیعت کا ارادہ کیا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں مولانا کی نگاہ انتخاب اپنے بزرگ ترین استاد شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبند قدس سرہٗ (م:۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء) پر جا کر رکی۔ جن کے تصرف باطنی کا تجربہ بھی پہلے ہو چکا تھا خود تحریر فرماتے ہیں:

"سیدنا حضرت شیخ الہند کے ساتھ تلمذ وبیعت کی سعادتیں اس کوتاہ بخت سیاہ کار کے لیے جس حد تک بھی سرمایۂ افتخار

وناز ہوں کم ہیں"(۱۹)

مولانا مزید لکھتے ہیں:

"حضرت والا کے حلقۂ درس میں دوسروں کے ساتھ حاضری کا موقع میرے لیے بھی آسان کیا گیا اور صورتِ حال ایسی پیش آ گئی کہ بیعت کے لیے حضرت شیخ الہندؒ کے دست حق پرست تک پہنچا دیا گیا۔ ورنہ اپنی سابقہ ولاحقہ زبو ل حالیوں کو جب سوچتا ہوں کہ یہ کیسے ہوا؟ حضرت کے تلامذہ میں کہاں امام کشمیریؒ اور شیخ مدنیؒ اور انہی جیسے اجلّہ اکابر شریک ہیں۔ اسی طرح روحانی تربیت یافتوں میں خدا ہی جانتا ہے۔ کتنے بڑے بڑے مقبولانِ بارگاہِ الٰہی ہوں گے" (۲۰)

مولانا گیلانیؒ صوفی باصفا تھے۔ ان کی شخصیت کی خاص شان ان کا صوفی ہونا ہے۔ صوفی کے ساتھ ساتھ جذب کی کیفیت بھی ان پر طاری رہتی تھی۔ مولانا غلام محمد شاگرد رشید مولانا گیلانیؒ بالکل صحیح لکھتے ہیں:

"حضرت گیلانیؒ جذب کی دولت اپنے ساتھ ہی لیتے آئے تھے۔ ان کے لڑکپن اور نوجوانی کو دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ ان پر ابتدا ہی سے وارفتگی کی شان طاری تھی جو بے ساختہ ہونے کی وجہ سے نہایت دلفریب تھی علمی وفکری مقالات میں حضرت جس قدر ہوشیار تھے عام امور میں اسی قدر بھولے بھالے، مالی نقصانات بھی اٹھاتے مگر کھو کر بھی ہمیشہ بے فکر ہی رہتے کیونکہ آنی فانی چیزیں کبھی ان کی توجہ کا مرکز نہ بن سکی تھیں۔'' (۲۱)

جناب غلام محمد مزید لکھتے ہیں:

''حضرت گیلانیؒ ''مجذوب مسلک'' تھے یعنی جذب الٰہی کی دولت پہلے ملی تھی، پھر مقاماتِ سلوک طے فرمائے تھے اور اس غرض کے لیے دورانِ طالب علمی ہی میں شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ کے دستِ گرفتہ ہو گئے تھے مگر علمی مشاغل کی وجہ سے اس وقت روحانی استفادہ کا موقع نہ مل سکا اور حضرت شیخ الہندؒ رحلت فرما گئے'' (۲۲)

مولانا گیلانیؒ زمانۂ طالب علمی ہی میں شیخ الہند کے بیعت ہو گئے تھے۔ اور آپ کے بیعت ہونے کے ایک سال بعد حضرت شیخ الہند کے نام پر ہندوستان سے حجاز تشریف لے گئے اور مالٹا بھیج دیے گئے اور واپسی پر بیماریوں نے گھیر لیا اور ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۶ء میں آپکا انتقال ہو گیا۔ (۲۳) اس وجہ سے مولانا گیلانیؒ کو اپنے مرشد سے استفادہ کا پورا موقع میسر نہ آیا۔ مگر مولانا چونکہ تصوف کا ذوق رکھتے تھے۔ اس پر مولانا مفتاحی بالکل صحیح رقمطراز ہیں:

''کسی آن راہ طریقت وسلوک سے غیر متعلق نہیں رہے۔ شیخ اکبر ابن عربیؒ اور مولانا جلال الدین رومی اور ان دونوں کی کتابوں ''فتوحاتِ مکیہ'' اور مثنوی مولوی معنوی سے گہرا لگاؤ اور تعلق تھا۔ اخیر زندگی میں مجالس الشیخین کے عنوان سے مولانا گیلانیؒ نے مستقل مضمون کا سلسلہ بھی شروع کر رکھا تھا۔ اور بڑی دلچسپی سے یہاں فرماتے تھے۔ کہ آج شیخ اکبر یا مولانا رومی کی مجلس میں حاضر ہوا۔ وہ یہ فرما رہے تھے، (۲۴) شیخ الہندؒ کے علاوہ مولانا گیلانیؒ نے

حبیب العیدروسؒ کے سامنے بھی اپنے آپکو بطور مرید پیش کیا۔ جناب حبیب العیدروسؒ راہِ سلوک کی منازل طے کر چکے تھے۔ بغدادی الاصل تھے۔ جن کا قیام حیدر آباد میں عرصہ سے تھا۔ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے بھی نسبی اور باطنی نسبت رکھتے تھے۔'' (۲۵)

خلافت:

جناب حبیب العیدروسؒ سے اپنا رشتہ سلوک جوڑا' اور سلسلۂ قادریہ میں تربیت حاصل کی۔ اور خلافت بیعت سے نوازے گئے۔ مگر سلسلۂ قادریہ میں رسوخ حاصل ہوجانے کے باوجود اپنے خاص مزاج کی وجہ سے اطمینانِ کامل محسوس نہیں کیا۔ اور اس کی وجہ وہی تھی کہ چشتیت کا رنگ مولانا کی طبیعت پر غالب تھا جو عام دیوبندی علماء میں پایا جاتا ہے۔ (۲۶) مولانا مفتاحی لکھتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے اس کی صورت یہ پیدا کی ایک حیدر آبادی بزرگ مولانا محمد حسینؒ صاحب کی خدمت میں ان کو پہنچا دیا گیا۔ جو حضرت شیخ محی الدین ابن عربیؒ کے قالاً وحالاً ترجمان تھے۔ اور جہاں پہنچ کر لوگ ایمان وایقان کی دولت سے مالا مال ہوا کرتے تھے۔" (۲۷)

مولانا گیلانیؒ کو یہاں پہنچ کر مناسبت تامہّ حاصل ہوگئی، اور شیخ کی توجہات خصوصی کے مرکز بن گئے اور تھوڑے ہی عرصہ بعد یہاں سے بھی خلافت کی دولت سے نوازے گئے۔ (۲۸) مولانا گیلانیؒ نے اس بات کا ذکر اپنے ایک مکتوب میں بھی کیا۔ (۲۹) اسی طرح مولانا گیلانیؒ نے دوہری خلافت پا رکھی تھی اور خود صاحبِ معرفت ہوگئے تھے۔ مولانا ظفیر الدین مفتاحی لکھتے ہیں:

"میں نے بارہا محسوس کیا کہ مولانا مرحوم میں بے پناہ کشش ہے۔ مولانا کی خدمت میں حاضر ہونے والا کھلے طور پر محسوس کرتا تھا کہ دل ان کی طرف کھچا چلا جا رہا ہے۔ بالخصوص جب نمازِ فجر کی امامت میں مولانا قرأت کرتے تھے۔ تو ایسا معلوم ہوتا تھا' دل کھچ کر مولانا کے پاس چلا گیا، دل کا تھامنا مشکل ہوتا تھا۔ اور جی چاہتا تھا کہ مولانا لمبی سے لمبی قرأت فرماتے رہیں اور ہم مقتدی سنتے رہیں۔ جو لذّت مولانا کے پیچھے فجر کی نمازوں میں ملتی تھی' یاد نہیں پڑتا کہ وہ لذت وکیفیت کہیں اور طرح محسوس طور پر حصہ میں آئی ہو۔ (۳۰) مولانا گیلانیؒ کی اسی کیفیت کے بارے میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی بھی لکھتے ہیں کہ ''اگر نماز کا وقت آجاتا' تو مولانا حاضرین یا صاحبِ خانہ کے اصرار سے مصلّے پر تشریف لے جاتے' ان کی قرأت میں بڑا سوز اور حلاوت تھی' قلب پر اس کا اثر پڑتا تھا اور جی چاہتا تھا کہ قرأت طویل ہو۔" (۳۱)

مولانا گیلانیؒ کو خلافت عطا ہو چکی تھی۔ لیکن خود مرشد بننے سے ہمیشہ گریز کیا۔ مولانا مفتاحی لکھتے ہیں۔ کہ وہ

گیلانی میں ملاقات کے لیے حاضر ہوئے تو حیدر آباد کے کچھ واقعات سنانے لگے۔فرماتے ہیں:

"ایک زمانے میں میری تقریر حیدر آباد میں بڑی مقبول تھی۔اور میری تقریر میں بڑا مجمع ہوا کرتا تھا۔مسجد میں جمعہ کے دن مجمع کی گرویدگی کا عالم عجیب ہوا کرتا تھا۔لوگ عقیدت سے ٹوٹے پڑتے تھے، بہت سارے لوگ آئے، اور خود پیشکش کی بلکہ اصرار کیا کہ میں انہیں بیعت کرلوں' مگر انکار کر دیا کرتا تھا۔مولانا نے یہ بھی فرمایا کہ کبھی کبھی دل میں آتا تھا کہ لاؤ ان اصرار کرنے والوں کو بیعت کرلوں۔اس میں عیب ہی کیا ہے۔مگر رات میں جب یکسوئی ہوتی تو سوچتا کہ پتہ نہیں کل قیامت میں اپنا معاملہ ہی کیسے طے پائے گا۔اور کیا پیش آئے گا، دوسروں کا بوجھ کیوں اپنی گردن پر ڈالنے کا ارادہ کروں۔پھر بیعت کرنے کے خیال کو غلط وسوسہ قرار دے کر علیحدہ ہو جاتا، بعثت وارشاد کے رسمی طریقہ کو اختیار نہیں فرمایا۔"

چنانچہ آپ نے کبھی بیعت وارشاد کے رسمی طریقہ کو اختیار نہیں فرمایا، ہمیشہ اس پیری مریدی کے قصوں سے علیحدہ رہے۔(۳۲) مولانا گیلانیؒ کے شاگرد غلام محمد کا یہ بیان بھی ان کے پیری مریدی کے قصّوں سے علیحدہ رہنے کے رجحان میں بطور گواہ پیش کرنے کے لیے کافی ہے۔وہ لکھتے ہیں۔''حضرت گیلانیؒ دوہری ملازمت رکھنے اور خود صاحبِ معرفت ہونے کے باوجود مسندِ ارشاد کی ذمہ داریوں سے ہمیشہ گریزاں ہی رہتے، اور جہاں تک میرے علم میں ہے۔کبھی کسی کو مرید نہیں کیا ورنہ اگر وہ اس طرف توجہ فرماتے تو فیوض علمی کی طرح فیضان روحانی کا بھی دریا بہہ نکلتا مگر جو مقدر نہ تھا۔وہ ہو کیسے جاتا، حضرت گیلانیؒ نے طالب علمانہ حیثیت ہی اپنے لیے تجویز فرمائی تھی۔اسی نقاب میں وہ کمالاتِ باطنی کو چھپائے رہتے اور اسی اخفا کے ساتھ اس دنیا سے پردہ فرما گئے۔(۳۳) مولانا گیلانیؒ کے بارے میں سید سلیمان ندویؒ نے ایک عجیب واقعہ لکھا ہے جب وہ آخری بار حج پر تشریف لے گئے تو آپ نے اپنا چشم دید واقعہ خود مولانا گیلانیؒ کو لکھا:

"میں مطاف کے سامنے بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک میری نظر پڑی کہ تو بھی (مولانا گیلانی) طواف کر رہا ہے۔خیال آیا کہ وہ آتا مجھ سے ضرور ملتا آخر یہ کیا ماجرا ہے۔میں خود تیری طرف ملنے کو لپکا لیکن دیکھا تم غائب ہو گئے، صوفیوں میں جو مشہور ہے کہ کعبہ میں نماز پڑھتے ہیں کیا اسی کے ظہور کی یہ شکل تھی۔''(۳۴)

مولانا گیلانیؒ پر جذب کی کیفیت طاری رہتی تھی۔اسی طرح محبت رسولؐ ان کی زندگی کا نہایت ہی حسین پہلو تھا۔حضورؐ کی نعتوں کو ترنم سے پڑھتے تھے۔اور پھر اشکبار ہو جایا کرتے تھے۔نعت گو بھی تھے اور نعت خواں بھی۔مولانا ظفر الدین مفتاحی نے اسی طرح کے ایک واقعہ کا ذکر کیا ہے کہ جس میں مولانا گیلانیؒ نے انہیں تنہائی میں اپنی نعتیں ترنم سے سنائیں اور دونوں اس پر اشکبار ہو گئے اور عجیب وجد کی کیفیت طاری ہوگئی۔(۳۵)

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ مولانا گیلانیؒ سراپا محبت اور عشق رسولؐ میں غرق تھے۔جب کبھی عہد نبوی اور خلفائے

راشدین کا کوئی واقعہ سامنے آتا، بے چین ہو جاتے، دل میں ایک ہلچل مچ جاتی اور یاد نبویؐ سے بے قابو ہو جاتے دل میں ایک ہلچل مچ جاتی۔(۳۶) مولانا گیلانیؒ کے دل کا معاملہ بھی عجیب تھا۔وارفتگی اور شیفتگی کی حالت ہر وقت طاری رہتی تھی۔ سید سلیمان ندویؒ کو ایک مکتوب میں لکھتے ہیں۔''گو مدت ہوئی اس راہ سے دور نکل چکا ہوں۔لیکن اب تک وہ ملاقاتیں دلِ ناکام کو یاد ہیں۔جو کسی زمانہ میں میسر آئی تھیں آپ لوگوں کی انقلابی زندگی خیر کی طرف اور میرا انقلاب شر کی طرف، باعثِ حیرت ہے۔(۳۷) مولانا مفتاحی لکھتے ہیں:

"میں نے دیکھا کہ مولانا گیلانیؒ کی چارپائی کے سرہانہ جو الماری رہتی تھی اس میں سب سے نمایاں کتاب،فتوحات مکیہ کی ضخیم جلدیں اور مثنوی مولانا رومؒ کی جلدیں ہوتی تھیں۔کبھی اس کو سرہانے سے علیحدہ نہیں دیکھا اسی طرح تصوف کی دو چار دوسری عربی کتابیں بھی رہتی تھیں۔تصوف سے مولانا کو خاصا شغف تھا۔"

مولانا لکھتے ہیں:

"مدت سے خاکسار کا دستور ہے۔کہ علاوہ قرآن مجید کے' دل کبھی پریشان ہوتا ہے تو مثنوی معنوی یا فتوحات مکیہ ابن عربی کا مطالعہ بغیر کسی ترتیب کے شروع کر دیتا ہوں۔(۳۸)

مولانا گیلانیؒ میں عاجزی وفروتنی پائی جاتی تھی۔اپنے باطنی حالات پر خود پردہ ڈالنے کی سعی کرتے ایک دفعہ سید سلیمان ندویؒ کے خط کے جواب میں لکھا۔

"ہم لوگوں نے دماغ سے اتنا کام لیا کہ دل بالکل مردہ ہو کر رہ گیا اس عمر میں اگر دوسری راہ پر رہتا تو کیا کچھ حاصل نہ کر لیتا۔لیکن'' آہ کہ روزگارم بسر شلمد بہ نادانی" (۳۹)

مولانا گیلانیؒ اپنے آپ کو چھپاتے تھے۔لوگ اپنے آپ کو ابھارتے ہیں۔مولانا اس کے برعکس اپنے آپ کو مٹانے کی کوشش کرتے تھے۔اگر کوئی حسن عقیدت کا اظہار کرتا تو اس کو یقین دلاتے کہ میں ایسا نہیں ہوں۔جیسا تمہارا حسن ظن ہے۔مولانا ظفیر الدین مفتاحی کے ایک خط کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

" آپ نے اپنے اس کارڈ میں جو اس سے پہلے آیا تھا اس فقیر کے ساتھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس کا قطعی استحقاق نہ تھا اس قسم کے حسنِ ظن کو اس جہول وظلوم کے ساتھ قائم فرمالیا ہے۔"

اکبر مرحوم کا ایک شعر ہے۔

اکبر کی حقیقت اصلی پوچھو اس کے محلّہ والوں سے
ہاں شعر تو کہتا ہے، دیوان تو ان کا دیکھا ہے

اچھا شعر اور صاحبِ دیوان ہونا دوسری بات ہے اور محلّہ والوں کے سامنے آدمی کیا سمجھا جاتا ہے۔اس کی اصلی حقیقت وہی ہوتی ہے۔

آپ جیسے صادق الایمان والدین کے حسن ظن کو دیکھ کر اس کی امید قائم کر لیتا ہوں کہ شاید معاملہ کرنے والا حسن ظن کی رعایت فرمائے۔ تجربہ سے زیادہ ہی کی تائید ہوتی رہتی ہے۔(۴۰)

مولانا دریابادیؒ نے مولانا گیلانیؒ کے ذوق تصوف کے بارے میں لکھا ہے:

"تصوف کے بڑے جاننے والوں میں سے تھے۔شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ سے عقیدت خصوصی بھی رکھتے تھے۔ اور مناسبتِ طبعی وروحانی بھی تھی، باوجود اس کے رسوم خانقاہی اور بدعات مشائخ کے ذرا بھی قائل نہ تھے۔اور وہم پرستوں اور ضعیف الاعتقادیوں کے نزدیک بھی نہیں گئے تھے"

اکبر کی زبان میں:

قائل میں تصوف کا ہوں اکبر لیکن
ارواح پرستی کو تصوف نہیں کہتے (۴۱)

مولانا گیلانیؒ کی زندگی سے چند جھلکیاں یہ تاثر دے رہی ہیں کہ ان کی طبیعت میں جذب کی کیفیت تھی۔فطری طور پر صوفی باصفات ذاتی طور پر تصوف کی طرف رجحان تھا شیخ اکبر محی الدین ابن عربی اور مولانا رومؒ سے خصوصی عقیدت اور فتوحات مکیہ اور مثنوی معنویؒ کا خصوصی مطالعہ کرتے رہنا ان کے اسی رجحان کی طرف اشارہ کرتا ہے۔لیکن ان کی فکر کے مطالعہ سے یہ بات ضرور ظاہر ہوتی ہے کہ وہ معرفت کے اس سفر کو شریعت کے تابع رکھنا چاہتے ہیں چنانچہ ذیل میں ان کی فکر کے تحقیقی مطالعہ سے اس کا اظہار ہوگا۔

قرآن مجید اور تصوف دونوں میں اصلاح اور تربیت نفس کو بنیادی موضوع بنایا گیا ہے۔لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ اہل تصوف نے قرآن مجید کی جس طرح باطنی تفسیر اور احادیث رسولؐ کی ایک مخصوص روحانی پیرائے میں تشریح کی۔اس کی وجہ بلاشبہ اشاعتِ دین اور فرد کی روحانی نشوونما کے میدان میں گرانقدر خدمات کے اہل علم نے بالخصوص تزکیہ نفس کا جو منہج پیش کیا، اس کے اکثر اصول قرآن وسنت کی رو سے درست قرار نہیں دیے جاسکتے۔مولانا گیلانیؒ کے صوفی باصفا ہونے کے ساتھ ساتھ تصوف کے بارے میں ان کے نظریات وافکار پر بحث تو کی جاسکتی ہے۔مگر انہوں نے تصوف کے جس رخ کو پروان چڑھا کر تزکیہ نفس اور باطنی صفائی کے حصول کی دعوت دی ہے۔اس میں دو رائے تو ہوسکتی ہیں۔مگر ان کی سوچ کی مخالفت کرنا ایک مشکل کام ہے۔ذیل میں تصوف کے موضوع پر ہونے والے مباحث کی روشنی میں مولانا گیلانیؒ کے افکار کا جائزہ لیا جاتا ہے۔عام طور پر جو مباحث زبان زد عام ہیں وہ یہی ہیں۔

مولانا گیلانیؒ کے تصوف پر مبنی افکار کا تجزیاتی مطالعہ:

تصوف کے درج ذیل مباحث کی روشنی میں مولانا گیلانی کے افکار کا جائزہ پیش نظر ہے۔مباحث کے عنوانات درج ذیل ہیں:

۱۔	فقر وزہد	۲۔	توکل	۳۔	مجاہدہ
۴۔	تزکیہ نفس	۵۔	مراقبہ	۶۔	مشاہدۂ حق
۷۔	علم باطن	۸۔	تصور شیخ	۹۔	ولایت اور ختم ولایت

فقر وزہد:

تصوف کا نظامِ حیات جسے روحانی زندگی کہا جاتا ہے۔فقر کی اساس پر قائم ہے۔تصوف جس غیر مادی زندگی کی وکالت کرتا ہے۔اس کی بنیاد کوئی مادی چیز نہیں ہوسکتی۔اس لیے یہ سمجھنا غلط ہوگا کہ تصوف کا فقر محض زندگی کے منفی رویہ کی علامت ہے۔یہ بات اس لیے کہی گئی ہے کہ صوفیہ کے اقوال میں فقر کے ساتھ ترک دنیا کا جولزوم دکھائی دیتا ہے۔اس سے دھوکہ نہ ہو۔تصوف میں ترک دنیا فی نفسہ مقصود نہیں ہے بلکہ اس کے معنی غیر اللہ سے قطع تعلق کے ہیں۔اور غیر اللہ کے ذیل میں دنیا وآخرت کی ہر چیز آتی ہے۔بجز روح آدم کے۔اس اعتبار سے فقر کے معنی اپنی صفات سے فانی اور خدا کے لیے ہر چیز سے مستغنی ہوجانے کے ہوئے۔اس میں سلبی اور ایجابی دونوں ہی پہلو آگئے۔علما تصوف کے نزدیک فقر کا یہی مفہوم ہے۔چنانچہ یحیٰ بن معاذ رازی سے جب فقر کے معنی پوچھے گئے تو انہوں نے فرمایا:''**حقیقة الأ ستغنی الا بالله ورسمه عدم الاسباب مکھا**۔''(۴۲) اسکی حقیقت یہ ہے کہ صرف اللہ کو اپنے حق میں کافی سمجھا جائے اور اسکی ظاہری علامت یہ ہے کہ تمام اسباب معدوم ہوجائیں۔شیخ ہجویری کے خیال میں خدمتِ خلق کے سوا تمام چیزوں سے دل کے فارغ ہونے کا نام فقر ہے۔جیسا کہ فقر کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"فقیر وہ ہے۔جو کہ ظاہری اسباب سے غنی ہو اور اسباب کا نہ ہونا اس کے لیے باعث افلاس ہو۔اسباب کا عدم وجود اس کے نزدیک برابر ہو۔بلکہ عدم اسباب اس کے لیے زیادہ باعث مسرت ہو" (۴۳)

فقر کے بارے میں بعض احادیث بھی زبان زد عام ہیں۔مثلاً''**الفقر فخری دبه افتخر**۔''لیکن علامہ ابن حجر عسقلانی نے اسے موضوع اور باطل کیا ہے۔(۴۴) فقر کی انتہائی حقیقت کو بعض صوفیہ نے جن الفاظ میں بیان کیا ہے۔اس کا کچھ اندازہ حاجی کے اس مصرعہ سے ہوسکتا ہے۔

"الفقر اذاتم رهو الله انیست" (۴۵)

امام ابن تیمیہؒ سے الفقر ھو اللہ کہنے والے کے متعلق فتویٰ پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس سے توبہ کرائی جائے اور اگر نہ کرے تو قتل کردیا جائے۔(۴۶) تصوف عملاً زہد سے مشابہت رکھنے کے باوجود اس سے مختلف ہے۔ایک زاہد کے لیے ضروری نہیں کہ وہ صوفی بھی ہو لیکن ایک صوفی کے لیے عملی طور پر زاہد ہونا لازمی ہے۔فقر وزہد' تمنا' اطلاقی تصوف کے مروجہ ضابطوں اور طریقوں کو دیکھا جائے۔تو مولانا گیلانیؒ اس پر بڑی حد تک ایک واضح اور صحیح العقیدگی کا بہترین نمونہ نظر

آتے ہیں۔ مولانا گیلانیؒ اگرچہ ایک صوفی آدمی تھے۔ مگر بنیادی اسلامی عقاید پر پوری شدت اور اس کی روح کے ساتھ عمل پیرا تھے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے۔ کہ وہ طریق تصوف کی صحیح تفہیم کرتے ہیں۔ ایک سائل جو کہ طریقہ غزالیہ کا ایک سالک ہے۔ اس نے آپ سے اوردرود و وظائف کی تفصیل طلب کی جس کے جواب میں مولانا گیلانیؒ لکھتے ہیں:

"درود و وظائف کے سلسلے کو آپ دراز سے دراز کرتے چلے جاتے ہیں۔ اللہ میاں عتر خوانی سے آدمی کے قابو نہیں آتے' اپنے حول وقوت سے جو خالی ہو کران کے قدموں میں گر گیا' وہی اٹھایا جاتا ہے۔ کاش جن اور بھوت سے آدمی جتنا ڈرتا ہے اللہ میاں کو اتنا بھی تو اپنے آگے پیچھے اوپر نیچے جانتا" (۴۷)

درج بالا عبارت سے مولانا گیلانیؒ کی اللہ تعالیٰ کی ذات کو پورے صفات کے ساتھ ماننے' اور توحید کی صحیح تشریح کے ساتھ انسان کو اللہ پر بھروسہ کرنے کی راہ دکھانے کی سعی موجود ہے۔ تصوف میں بے جا طریقوں سے تعلق باللہ پیدا کرنے کی جو کوشش کی جاتی ہے۔ اس کی بجائے اللہ تعالیٰ کے صحیح تصور کو دل میں جاگزیں کرنے سے وہ کیفیت پیدا کی جاسکتی ہے۔ اس طرح بنیادی اسلامی عقائد توحید کے ساتھ ساتھ عقیدہ رسالت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اپنے سردار' بندوں کو خدا سے ملانے والے خاتم المرسلینؐ کی آنکھوں سے دیکھیے۔ ''فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ'' جدھر اپنا رخ موڑو گے خدا کا چہرہ تمہارے سامنے آجائے گا۔ اپنی آنکھوں سے زیادہ اپنے پیغمبرؐ کی آنکھوں پر بھروسہ کرنے والے' یونہی جب جی چاہے خدا کے چہرے کو اپنے سامنے پاتے ہیں، خدا آپ کو یاد ہے خدا آپ کو دیکھ رہا ہے۔ ذرا اس کی مشق اپنے پیغمبرؐ کی یاد کے تابع ہو کر کیجئے۔ سب کچھ آپ کو مل جائے گا۔ (۴۸)

ذکر توجہ تعلق باللہ لکھتے ہیں۔ آپ چاہتے ہیں کہ آپ کا ذکر کسی بادشاہ یا حاکم مجازی نہیں بلکہ حق تعالیٰ کی مجلس میں ہو۔ سنیے آپ کے پیغمبرؐ سنا رہے ہیں۔ کہ خدا ان کو اطلاع دے رہا ہے۔ کہ ''فَاذْكُرُوْنِیْٓ اَذْكُرْكُمْ'' دل ہی دل میں اللہ میاں کو یاد کرنا شروع کیجئے۔ آپ کا ذکر آپ کا مالک کرے گا۔ ہم ان کو یاد کریں۔ اور وہ ہمیں یاد نہ کریں۔ یہ ہو نہیں سکتا۔ جو ایسا خیال کرے وہ مسلمان نہیں ہے۔ (۴۹) مولانا گیلانیؒ درود وظائف کے خلاف نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ علم کی تصحیح اور اعمال وکردار کو رسولؐ اللہ کے علم اور اخلاق کے تابع کرنے کے حق میں ہیں۔ تمام درگاہوں اور آستانوں کو چھوڑ چھاڑ کر ایک درگاہ سے لو لگانے کا کہتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

''ایک تیرتھ گاہ سے فارغ ہو کر دوسری اور دوسری سے تیسری آخر کہاں تک ہندوؤں کی طرح ٹھوکر کھاتے پھریئے گا'' (۵۰)

وہ مزید لکھتے ہیں:

"محمد رسولؐ اللہ کے دامن کو تھام لیجئے۔ جو کچھ انہوں نے سکھایا اس کے سواطے کر لیجئے کہ اس راہ میں اور کسی سے کچھ سیکھنا نہیں ہے۔ آپ کا سلوک طے ہو گیا خدا آپ کو مل گیا، اب چین کیجئے، آپ مانگتے چلے جائیں گے وہ دیتا چلا

جائے گا"(۵۱)

مجاہدہ:

تصوف مطالبات حیات کے خلاف طرز عمل اختیار کرنے پر زور دیتا ہے۔ تاکہ نفس کے اندر دنیاوی چیزوں کی طرف رغبت پیدا ہونے کے امکان کا سدباب کیا جاسکے اس رویے کے پیچھے علما تصوف کا یہ نظریہ کارفرما ہے کہ دنیا و مافیہا سے مکمل بے تعلقی کے بغیر معرفِ حق ممکن نہیں چنانچہ مجاہدہ و ریاضت کے مختلف طریقے ایجاد کیے گئے۔ اور نفس کشی کو سب سے افضل عمل قرار دیا گیا۔ جب مخالفت نفس بلکہ فنا نفس مقصود ٹھہرا تو تمام مرغوبات بلکہ جائز خواہشات تک سے اجتناب لازماً ہی چاہیے تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اہل تصوف کی روشنی عام طور پر رہن سہن کے معروف طریقوں کے خلاف رہی ہے۔

مجاہدہ تصوف کا عملی پہلو یا اس کا ظاہر ہے۔ امام قشیری مجاہدہ کی حقیقت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ مجاہدہ کی اصل اور اس کی بقا نفس کو اس کی مرغوب اور پسندیدہ چیزوں سے علیحدہ کرنے اور خواہشات کی خلاف ورزی پر ہمہ وقت اسے ابھارنے پر ہے۔ (۵۲) یہ تعریف مجاہدہ کے دو پہلوؤں کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ اولاً نفس کو اسکی پسندیدہ چیزوں سے الگ کرنا ثانیاً خواہشات کی مخالفت پر اسے تیار کرنا تاکہ نفس کے اندر سرے سے کوئی چیز کی خواہش ہی پیدا نہ ہو۔

نفس کو مرغوب، غذا ہے۔ اس معاملہ میں صوفیا کا طرز عمل عجیب رہا ہے۔ اکثر بیشتر صوفیا ۱۵، بیس روز تک غذا کو ہاتھ نہیں لگاتے تھے۔ چالیس چالیس دن تک کھانا نہیں کھاتے تھے۔ (۵۳) حضرت سہیل بن عبداللہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ پندرہ دن میں صرف ایک بار کھانا کھاتے تھے اور رمضان کے مہینے میں کچھ بھی نہیں کھاتے تھے۔ (۵۴) شیخ ہجویری نے دو بزرگوں کے متعلق اپنا چشم دید واقعہ نقل کیا ہے جو اسّی (۸۰) دن سے بھوکے تھے اور نماز باجماعت ادا کرتے تھے۔ (۵۵) اسی طرح صوفیا میں ترک نکاح، ترک شہوت اور نفس کشی کے اس طرح کے کئی حربے مستعمل رہے ہیں۔ وہ ان کو مجاہدہ کیلئے ضروری خیال کرتے ہیں۔ بلکہ نفس کے برعکس کام کرنے میں بعض صوفیاء اس قدر آگے بڑھ گئے کہ بعض قبیح گناہوں کو کرنے کو نفس کشی پر محمول کرنے لگے۔ مجاہدہ نفس کو تصوف میں جہاد اکبر کہتے ہیں کیونکہ اس راہ میں نفس انسان کا سب سے بڑا دشمن ہے اور جو سب سے بڑا دشمن ہو اس کے خلاف جہاد بھی لازماً جہاد اکبر کہلائے گا۔ مولانا گیلانیؒ نے نفس کشی اور مجاہدہ کے غیر اسلامی طریقوں پر تنقید کی ہے۔ نفس کشی اور نفس کی خواہش کے علی الرغم کام کرنے کے کیلئے بیہودہ اور عجیب وغریب طریقوں کے استعمال کو ناپسند کیا ہے اس پر مولانا گیلانیؒ لکھتے ہیں:

"اسلام میں مخالفت نفس کی بذات خود کوئی قیمت نہیں ہے۔ اس کی قیمت اسی وقت پیدا ہوسکتی ہے۔ جب اسی مخالفت کو رضائے حق کی موافقت کا ذریعہ بنایا جائے" (۵۶)

مجاہدہ اور نفس کشی کی غیر اسلامی حرکات اور اس سے پیدا شدہ نتائج پر مولانا گیلانیؒ اس طرح تنقید کرتے ہوئے لکھتے

ہیں۔"لوگوں نے بجائے اس کے باطنی قوتوں کے پیدا کرنے احساس وعلم کی بعض چھپی ہوئی طاقتوں کو ابھارنے ہی کا نام دین اور مذہب رکھ لیا، حالانکہ اگر اسی کا نام مذہب ہے تو پھر وہ بیچارہ پہلوان جو مٹی اور گرد کو بازوؤں پر مل مل کر اپنے مسل اور عضلات میں مقاومت کی قوتوں کو برسر کار لاتا ہے ان کو یا جمناسٹک والے یا مداریوں کے تماشہ والوں کو بھی دین اور مذہب کی بلندی کا کوئی حصہ کیوں نہیں عطا کیا جاتا آخر یہ لوگ بھی اپنی پوشیدہ قوتوں ہی کو بیدار کرتے ہیں۔(۵۷)

لیکن مولانا گیلانیؒ جہاں غلط طریقوں اور غیر اسلامی حرکات پر سخت تنقید کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ وہیں وہ سلسلۂ چشتیہ کے بعض طریقوں کو قرآنی دعوت کے عین مطابق بھی سمجھتے ہیں، لکھتے ہیں:

"جہاں تک میں نے ان کے حالات کا مطالعہ کیا ہے اس سے اس نتیجہ پر پہنچا کہ ایجابی مجاہدات کے سلسلہ میں ان کا سارا زور اس یقین کی پیدائش پر مرکوز تھا جو قرآن سے پیدا ہوتا ہے۔(۵۸) یعنی مولانا گیلانیؒ کا خیال ہے کہ آدمی سب کچھ کر سکتا ہے۔ مگر اللہ کی رضا کے حصول کی ایک ہی راہ ہے وہ اس کی مرضی ومنشا کے مطابق زندگی گزارنا" لکھتے ہیں: "ان سارے تماشوں سے سب کچھ ہوسکتا ہے، آدمی ہوا پر اڑ سکتا ہے، پانی پر چل سکتا ہے دلوں کے بھید بتا سکتا ہے۔ لیکن معمۂ کائنات کے حل کی جو قدرتی راہ ہے دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ خالق کائنات کی مرضی کی یافت کا جو طبعی طریقہ ہے۔ اس سے بے تعلق ہونے کے بعد یقین وسکینت کی کیفیت سے وہ اسی طرح محروم رہے گا جیسے ایک عام آدمی کا حال ہے۔ اور یہی ایک چیز ہے جو قرآن کے سوا کسی دوسرے ذریعہ سے کسی کو کبھی حاصل نہیں ہوسکتی" (۵۹)

تزکیۂ نفس:

مجاہدہ کا مقصد تزکیۂ نفس کا حصول ہے۔ کیونکہ نفس جمہور صوفیہ کے نزدیک منبع شر ہے یعنی تمام شر کے اعمال وافعال اسی سے ظہور پذیر ہوتے ہیں۔(۶۰) حضرت بایزید بسطامی فرماتے ہیں کہ نفس ایک ایسی صفت ہے جو صرف باطل کے ساتھ قائم رہ سکتی ہے۔(۶۱) سلیمان دوانی کہتے ہیں کہ نفس امانت میں خیانت کرنے والا اور رضائے الٰہی کی طلب سے روکنے والا ہے۔(۶۲) چنانچہ نفس کی مخالفت کا تمام عبادات کی اصل اور تمام مجاہدات کا کمال سمجھا گیا ہے اور اسکی موافقت کو بندہ کی ہلاکت اور مخالفت کو نجات کا باعث بتایا گیا ہے۔(۶۳) جسد خاکی میں عالم خیر وشر کا نشان ثنویت کو بھی نظر آتا ہے اور تصوف کو بھی شیخ ہجویریؒ فرماتے ہیں:

" کہ آدمی نمونہ ہے کل عالم کا اور عالم نام ہے دو جہاں کا اور انسان میں دونوں جہانوں کا نشان موجود ہے۔(۶۴) صفات نفس کے لیے انہوں نے "ھواء" کا لفظ استعمال کیا ہے۔(۶۵) اور اسے انسان کی سرشت میں شامل بتایا ہے۔ (۶۶) فطری خواہشات اور طبعی میلانات کو بھی اہل تصوف نے ہوائے نفس کا نام دیا ہے چنانچہ چالیس دن

تک ترک طعام' کو اس خیال سے لازم ٹھہرایا ہے، کہ اس سے پہلے سچی بھوک لگتی ہی نہیں اور اس دوران اگر کھانے کی طلب ہو تو اسے انہوں نے حرص اور غرور طمع پر محمول کیا ہے "(٦٧)

تزکیہ کے نام پر تصوف کا اعتبار قائم ہے اور یہ اعتبار اہل تصوف کے متعلق اس عام خیال کی وجہ سے ہے کہ انہوں نے تصفیۂ باطن اور تطہیر قلب کا نیک اور مبارک کام انجام دینے کی کوشش کی۔اسی طرح اہل تصوف کے رذائل اخلاق کو دور کرنے اور قلبی امراض کے علاج کے لیے جو نسخے تجویز کیے ہیں۔یا جو طریقے اپنائے اس میں کون سے اصول ان کے پیش نظر رہے ہیں۔اس سلسلہ میں امام غزالیؒ نے ایک بہت ہی بنیادی بات یہ کی کہ:

"اس کی عام ترسبیل یہ ہے کہ نفس جس چیز کی بھی خواہش کرے اور جدھر بھی مائل ہو ان سب کے معاملہ میں مخالفانہ روش اختیار کی جائے۔" (٦٨)

مولانا گیلانیؒ نفس کشی کے ان طریقوں کے جیسا کہ ذکر ہوا مخالف تھے۔کیونکہ اس طرح غیر فطری جذبے اور نتائج کے پیدا ہونے کا خدشہ رہتا ہے۔نفس امارہ کو کمزور اور نفس لوامہ کو مضبوط اور طاقتور کرنے کی روش کا نام ہی دراصل تزکیۂ نفس ہونا چاہیے اور اس کیفیت کی معراج نفس مطمئنہ ہے۔مولانا گیلانیؒ ہر اس مخالفت نفس کے نظریہ کے خلاف ہیں۔جو انسان کو اللہ کی رضا سے دور کر دے۔اس لیے لکھتے ہیں:

"انسانیت کا معکوس فلسفہ جو دنیا پر چھایا ہوا ہے۔اب تو اس کا سمجھنا بھی آسان نہیں ہے۔بہر حال سمجھ میں آئے نہ آئے۔بات یہ ہے کہ مذہب کا حاصل اس کے سوا کیا ہے کہ زندگی کے تمام شعبوں میں بجائے اپنی مرضی اور اپنے دماغی مشوروں کے حق تعالیٰ کی اسی مرضی کی پابندی کی جائے جس کا اظہار پیغمبروں کے ذریعہ سے فرماتا رہا ہے۔ جس کی کامل ترین محفوظ ترین شکل کا نام قرآن اور اسلام اور محمد رسولؐ کی زندگی ہے۔خدا کی مرضی جب اپنی مرضی سے ٹکرانے لگے اس وقت خدا ہی کی مرضی کی رہنمائی قبول کر کے اسی کے تحت اپنے آپکو ڈال دینا اسی کی مشق کا اصطلاحی نام ہمارے بزرگوں میں یہ تھا کہ نفس کی خلاف ورزی کی مشق بہم پہنچانی چاہیے" (٦٩)

مولانا گیلانیؒ صحیح فکر اسلامی کے داعی تھے وہ طریقۂ غزالیہ کے معتقد تھے مگر اس کے باوجود انہوں نے طریقۂ صحابہ کو اختیار کرنے پر زور دیا۔تصوف کے قائل تھے مگر تصوف میں غیر اسلامی طریقوں اور رنگ ڈھنگ کو انہوں نے اختیار نہ کیا۔مولانا گیلانیؒ جدید زمانے کے حالات میں مسلمان کو 'احسان' کے درجہ پر فائز کرنے کے خواہاں ہیں۔اس کے لیے وہ طریقہ صحابہ کو ترجیح اول پر رکھتے ہیں۔اس ضمن میں ان کے شاگرد رشید ڈاکٹر غلام محمد لکھتے ہیں:

"مولانا گیلانیؒ کے خیال میں جیسا کہ انہوں نے شیخ اکبر اور شاہ ولی اللہ سے ضمناً استفادہ کرتے ہوئے ثابت کیا ہے اور حصول احسان کی ایک راہ وہی نہیں ہے جس کو طریقہ غزالیہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے بلکہ اس کے علاوہ

ایک اور راہ بھی ہے جو طریق صحابہ سے زیادہ قریب ہے جس میں ترک اسباب اور دنیا سے گریز کی تعلیم نہیں دی جاتی بلکہ سبب کی حکمت کو پہچان کر اس کو اختیار کرنے اور اس کے باوجود مسبب الاسباب پر بھروسہ رکھنے کا ڈھنگ سکھایا جاتا ہے۔ گویا اس میں تصحیح فکر ہی پر تمام تر زور صرف کیا جاتا ہے اور اصلاح فکر ہی کے ذریعے ''مقام احسان'' تک پہنچنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس طریق میں سالک کو طویل طویل مجاہدات اور ریاضتوں کی حاجت نہیں ہوتی جیسا کہ طریقہ غزالیہ میں ان کی ضرورت ہوتی ہے۔" (۷۰)

اسی فکر کی تائید مولانا گیلانیؒ کے روحانی پیشوا مولانا محمد حسین کے ایک جملہ سے ہوتی ہے۔ وہ اکثر فرمایا کرتے تھے:

"ایک انسان لا الہ الا اللہ کا اقرار کر کے ایک سیکنڈ میں کفر سے نکل کر دائرہ اسلام میں آجاتا ہے۔ اور ایک مسلمان ''ان اللہ معنا'' کا استحضار کر کے ایک سیکنڈ میں مرتبہ احسان کو پہنچ جاتا ہے۔" (۷۱)

اس لحاظ سے دیکھا جائے تو مولانا گیلانیؒ تزکیہ نفس کے لیے نیک لوگوں کی صحبت اور رہنمائی کو منزل کے حصول میں آسانی قرار دیتے ہیں۔ روحانیت کے قائل ہیں۔ مادی کے علاوہ روحانی کائنات کا تصور دیتے ہیں۔ مگر ان کی فکر کی خاص بات قرآن وسنت کے دائروں میں رہ کر حصول منزل کی سعی وکوشش ہے۔ جو دراصل تزکیۂ نفس کو پیدا کرنے میں ممد ومعاون ثابت ہوتی ہے۔ ذکر الٰہی کی کثرت بھی اہل تصوف کا شیوہ رہا ہے۔ اس کی مختلف نوعیتیں اور صورتیں بھی۔ گویا ذکر تزکیۂ نفس کے لیے مجاہدہ کا اثبات ہے۔

ذکر ومراقبہ:

ذکر کے معنی کسی چیز کو یاد کرنے یا کسی بھولی ہوئی بات کو ذہن میں تازہ کرنے اور اسے ملحوظ خاطر رکھنے کے ہیں۔ چنانچہ غفلت نسیان کے سبب اگر انسان کوئی چیز چھوڑ بیٹھے یا کسی امر کے ملحوظ رکھنے کا خیال اس کے دل سے جاتا رہے تو اسے دوبارہ عمل میں لانے کو ذکر کہیں گے۔ تصوف کے مختلف سلسلوں میں ذکر کرنے کے انداز اور قواعد کا فرق رہا ہے۔ لیکن سب کا مقصود ایک ہی ہے۔ یعنی یہ کہ ذاکر اپنی زبان اپنے قلب اور اپنے جسم کے رگ وریشہ میں ذکر کے کلمات کو اس طرح جاری وساری کر دے کہ اس کا پورا وجود بول اٹھے۔ اس مقصد کے لیے اہل تصوف کے یہاں ذکر کے دو طریقے رائج رہے ہیں۔ ایک کو ذکر جلی یا جہری کہتے ہیں اور دوسرے کو خفی یا سری۔ (۷۲)

تصوف کے مختلف سلسلوں میں رائج اذکار جنہیں عدد اور وقت کے تعین کے ساتھ پڑھنے کی تلقین کی جاتی ہے۔ اپنے اثرات وفوائد میں حیرت انگیز بتائے گئے ہیں۔ ان کی تاثیر جیسا کہ عقیدہ ہے۔ صرف روحانی سطح ہی پر نہیں بلکہ مادی زندگی میں بھی ہے۔ مثال کے طور پر حزب البحر کو حل مشکلات شفاء امراض، محبت اور تسخیر خلائق ادائیگی قرض فقر وفاقہ سے نجات دشمنوں کی ہلاکت اور زبان بندی وغیرہ کے لیے مجرب بتایا جاتا ہے۔ (۷۳)

مولانا گیلانیؒ کے خیال میں ذکر کے بغیر صوفی کا تصور نہیں کیا جاتا۔ اہل تصوف کا یہ شیوہ رہا ہے۔ لکھتے ہیں:

"تصوف جس کی بنیاد ہی ذکر اذکار پر سمجھی جاتی ہے۔ اور جہاں جہاں ضرورت تھی یقیناً وہاں کے لیے ذکر اوذکار اشغال مراقبات کے ذرائع مفید بھی ہوئے" (۷۴) وہ مزید لکھتے ہیں:

"ذکر سری ہو یا جہری دونوں کی کثرت ومزاولت خصوصاً جب حضور قلب اور شعور معنی کے ساتھ ہو تو اشتیاق وانہماک حب والف کی سنتوں کے پیدا ہونے میں دیر نہیں لگتی جن ممالک کے باشندے مسلمان ہو چکے ہیں۔ اجمالاً ان کے پاس سب کچھ ہوتا ہے۔ اسی مجمل کو مفصل کرنے کے لیے انہیں ذکر وفکر، مراقبہ اور مطالعہ کے مشاغل میں مشغول کیا جاتا ہے۔ ایمان کی حلاوت ان میں پیدا ہو جاتی ہے۔ (۷۵) مولانا ذکر کو حلاوتِ ایمانی کی شرط قرار دیتے ہیں۔ اس لیے اس میں تسلسل کا ہونا ضروری ہے۔ اس میں وقفہ یا رکاوٹ حلاوت ایمانی میں کمی کا باعث ہوتی ہے"۔ مولانا لکھتے ہیں:

"سارے ذکری ذوق شوق ولولے اور شورش اس وقت تک تر وتازہ رہتے ہیں۔ جب تک ذاکر ذکری وفکری مشاغل کو بھی تر وتازہ کرتا رہے۔ خدانخواستہ اگر کسی وجہ سے ان میں رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے تو جیسی اور جتنے دن کی رکاوٹ ہوگی اسی نسبت سے ذکری کیفیات کی شدت میں بھی ضعف اور ذوق وشوق کی لذت کم ہوتی جاتی ہے" (۷۶)

ذکر میں یکسوئی سے مولانا گیلانیؒ کے خیال میں کشف کی علامتیں بھی ظاہر ہونے لگتی ہیں۔ لکھتے ہیں ''غلبہ ذکر سے جو یکسوئی پیدا ہوتی ہے۔ بسا اوقات اس کی وجہ سے کشف وکرامات جیسی چیزوں کا صدور بھی ہونے لگتا ہے۔ (۷۷)

''ذکر'' کو مولانا گیلانیؒ حکم الٰہی کا درجہ دیتے ہیں اس لیے عملی اور فکری لحاظ سے اس کو پروان چڑھاتے ہیں۔ ذکر حکم الٰہی بھی ہے۔ سنت رسولؐ اور صحابہؓ کے طرز عمل سے ثابت ہے۔ لیکن مراقبے کا تصور ایک اضافی چیز ہے۔ حلاوت ایمانی کے لیے خلوت وجلوت میں ذکر الٰہی سے سوز وگداز، للٰھیت اور روحانی تسکین جیسے عظیم کیفیات سے انسان واقف ہوتا ہے مولانا گیلانیؒ بھی اسی کیفیت کے حصول کے لیے ذکر کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہیں۔

مشاہدۂ حق:

مشاہدہ حق اہل تصوف کی زندگی ہے۔ اسی لیے وہ مجاہدات کی صعوبتیں برداشت کرتے ہیں۔ اور دنیا سے کنارہ کش ہو کر اپنے وجود تک سے غافل ہو جاتے ہیں۔ شیخ ہجویری فرماتے ہیں کہ جب اللہ کا دوست موجودات سے آنکھیں پھیر لیتا ہے۔ تو لامحالہ دل سے اللہ کو دیکھ لیتا ہے۔ (۷۸) اور جو مجاہدہ میں جتنا خالص ہوگا مشاہدہ میں اتنا ہی سچا ہوگا کیونکہ باطن کا مشاہدہ حق ظاہر کے مجاہدہ کے ساتھ مقرون ہے۔ (۷۹)

مشاہدہ کا تعلق چونکہ قلب سے ہے اور اسی کے آئینے میں نور الٰہی کا انعکاس ہوتا ہے۔ اس لیے اسے مجاہدہ ریاضت سے صیقل کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں دو چیزوں کا التزام، نتیجہ خیز ثابت ہوا ہے۔ ایک بھوک اور دوسرے بیداری بھوک کے متعلق علما تصوف کا خیال ہے کہ اس سے دل میں خون گھٹ جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے اس میں سفیدی پیدا

ہوجاتی ہے۔اوراس کی سفیدی ہی میں اس کا نور ہے۔(۸۰) بیداری کے سلسلہ میں کہا جاتا ہے کی جوشخص خلوص دل سے چالیس راتیں جاگ کرگزارے اس پر عالم ملکوت کھل جاتا ہے۔(۸۱) مولانا گیلانیؒ شیخ محی الدین اکبرؒ سے استفادہ کرتے ہوئے۔لکھتے ہیں۔''حسی معلومات کے علمی تعلق کو وہ مشاہدہ کہتے ہیں۔اور محسوساست سے جو بات سمجھ میں آئی ہے۔اسی کا نام انہوں نے مکاشفہ رکھا ہے''۔(۸۲)اس بارے میں وہ مزید لکھتے ہیں:

"مشاہدہ کا تعلق ہمیشہ محسوسات سے ہوتا ہے۔خواہ کسی حس سے ہو۔لمسی،سمعی،بصری شمسی،ذوقی (یعنی ذائقہ) سے تعلق رکھنے والے تو مشاہدات رہے اور مکاشفہ کا تعلق ہمیشہ معانی سے ہوتا ہے"(۸۳)

یعنی مشاہدۂ حق میں بندہ جب اپنے احساس وشعور اور علم وآگہی سے جاتا رہا۔اوراسے فنا کلی حاصل ہوگیا تو وہ صفات الٰہی کے رنگ میں رنگ گیا اوراسے بقا بالحق حاصل ہوگیا۔اس کے اس رنگ میں رنگ جانے اور باقی بالحق ہونے کے صلہ میں دو چیزیں خصوصیت کے ساتھ اسے عطا ہوتی ہے ایک علم الٰہی یا علم لدنی اور دوسرے قدرت کاملہ یا تصرف بالحق یہ دونوں ہی خصوصیات بندہ کے اپنے دوخواص؛ جن سے اس کا وجود عبارت ہے،کھودینے کے نتیجہ میں حاصل ہوتی ہیں یعنی اپنا علم وشعور اور اپنی حرکت وطاقت صوفیہ کے تمام مجاہدات اوران کی تمام ریاضتیں انہی دونوں کو کھونے کے لیے ہیں تاکہ وہ دونوں حاصل ہوں۔گرچہ یہ بات بہت ہی عجیب معلوم ہوتی ہے۔کہ عقول وفہم کو کھوکر علم کیسے حاصل ہوتا ہے اور قوت کو ختم کرنے سے قدت کیسے حاصل ہوتی ہے لیکن تصوف میں ہے ایسا ہی۔(۸۴)

یہی مشاہدہ حق ایک ایسی کیفیت ہے جس کا تعلق جذب سے ہے۔مولانا گیلانیؒ اکثر یہ بیان کیا کرتے تھے کہ انسان اپنی آنکھیں بند کر کے خانہ کعبہ،مسجد نبوی جیسی مقدس جگہوں کو اپنے قریب بلکہ اپنے دل ودماغ میں محسوس کرسکتا ہے تو کیا یہی وہ جذبہ یا کیفیت نہیں ہے۔جس کو مشاہدہ حق کا نام دیا جاسکتا ہو۔

علم باطن:

امام غزالی نے ایک حدیث کو دلیل ٹھہراتے ہوئے لکھا ہے:

''بعض علوم پوشیدہ راز کی صوت میں ہوتے ہیں جنہیں صرف وہ لوگ جانتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھتے ہیں''(۸۵) امام غزالیؒ کا خیال ہے کہ اس سے مراد علم باطن ہے۔(۸۶)

اس علم کے متعلق دیگر صوفیہ کی طرح وہ بھی فرماتے ہیں کہ ''یہ وہ علم ہے جو کتابوں میں نہیں لکھا جاتا بلکہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے اس کا کچھ حصہ عطا فرما دیا ہے۔وہ دوسروں سے اس کا ذکر نہیں کرتا،البتہ ان سے سے ضرور کہہ دیتا ہے۔جو اس کے اہل ہوں۔اور وہ اس کے شریک راز ہوتے ہیں۔(۸۷)

مولانا تھانوی دین میں ظاہر وباطن کی تفریق کے بظاہر قائل نہیں معلوم ہوتے جیسا کہ ایک سوال کے جواب میں

فرماتے ہیں:

''شریعت نام ہے مجموعۂ احکام تکلیفیہ کا۔ اس میں اعمال ظاہری و باطنی سب آ گئے' متقدمین کی اصطلاح میں لفظ فقہ کو اس کا مترادف سمجھتے تھے۔ جیسے امام ابوحنیفہؒ سے فقہ کی یہ تعریف منقول ہے۔ معرفة النفس مالها وماعليها" (۸۸)

ایک جگہ علم باطن کو علم شریعت کا جزو بناتے ہوئے لکھتے ہیں:

"علم باطن خود ایک شعبہ ہے علم شریعت کا، کیونکہ شریعت نام ہے۔ اصلاح ظاہر و باطن کے طریقہ کے جاننے کا۔ اصلاح ظاہر یہ ہے کہ اقوال وافعال درست کرے۔ اصلاح باطن یہ کہ عقائد واخلاق درست کرے' سو یہ سب شریعت نے مفصل طور پر بتلایا ہے" (۸۹)

بعض علما علم باطن کے قائل ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ کچھ لوگوں نے اس پر تنقید بھی کی ہے۔ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں:

"اللہ تک پہنچانے والے راستے دو قسم کے ہیں' ایک قسم تو وہ ہے جس کی وحی الٰہی اور تعلیمات انبیاء نے تلقین فرمائی اور دوسری وہ ہے جسے الہام اور معارف اولیاء نے متعین کیا ہے" (۹۰)

تنقید کرنے والوں میں علامہ ابن جوزی سخت برافروختہ ہو کر کہتے ہیں کہ جس نے ''حدثني قلبي عن ربي'' کہا اس نے در پردہ اس بات کا اقرار کیا کہ وہ رسول اللہؐ سے مستغنی ہے اور جو شخص یہ کہے وہ کافر ہے۔ (۹۱) امام ابن تیمیہؒ نے بھی تنقید کرتے ہوئے لکھا ہے:

"اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ وہ علم ظاہر میں حضرت محمدؐ کا محتاج ہے۔ اور علم باطن میں نہیں، یا علم شریعت میں ان کی احتیاج ہے۔ علم حقیقت میں نہیں' وہ ان یہود ونصاریٰ سے بھی برا ہے جو یہ کہتے تھے کہ محمدؐ امیوں کی طرف مبعوث ہوئے ہیں نہ کہ اہل کتاب کی طرف" (۹۲)

مولانا گیلانیؒ کو ابتدائی اور اعلیٰ تعلیم کے زمانہ میں ایسے اساتذہ حصہ میں آئے۔ جو اخلاص عمل اور للّٰہیت میں بڑا اونچا اور امتیازی مقام رکھتے تھے' ان کی صحبت اور تعلیم وتربیت نے بھی مولانا کے باطن کو جلا بخشنے میں بخل سے کام نہیں لیا۔ (۹۳)

مولانا گیلانیؒ کے نزدیک جس طرح ایک ظاہری زندگی اور کائنات ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ کائنات روحانی کا سلسلہ بھی چلتا رہتا ہے۔ مولانا اس کو ایک کائنات کا نام دیتے ہیں۔ اور اس کے بارے میں معلومات کو علم باطن کا نام بھی دیتے ہیں۔ مولانا کے خیال میں باطنی تزکیہ کا انتظام ظاہری تزکیہ سے زیادہ ضروری ہے اور ان کے خیال میں قدرت نے اس کا خصوصی انتظام خود ہی کر رکھا ہے۔ لکھتے ہیں:

"یہ کیسا دعویٰ ہے کہ انسان کے دانت میں نہیں' بلکہ خود اس کے اندر اگر ہمیشہ کیلیے تباہ کرنے والی چیز اٹک جائے تو

اس ساری کائنات میں اس کا کوئی علاج نہیں آخر یہ کس دیوانے نے کہا اور کن ابلہوں نے باور کیا کہ ہمارے جوتوں کے میل صاف کرنے کے لیے تو اسی عالم میں ہزاروں سامان موجود ہیں لیکن اگر خود ہم پر گرد پڑ جائے اور ہمارے اندر میل بیٹھ جائے تو اس کے لیے فیاض قدرت نے کچھ نہیں لکھا۔ خدانخواستہ اگر ایسا ہے تو پھر قدرت کی بے مثال فیاضی جس کا ظہور ذرہ ذرہ میں بدیہی طور پر محسوس ہو رہا ہے۔ کیا ایسا لفظ ہے۔ جو کبھی شرمندہ معنی نہیں ہوا" (۹۴)

مولانا گیلانیؒ مادی کائنات کے ساتھ ساتھ روحانی کائنات کی بات کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس طرح سلسلۂ موجودات میں ایک ایسی چیز بھی ہے۔ جو ظاہراً اس طرح مجمل ہے۔ جس طرح مثلاً زمین کا مادہ لیکن جب سونگھنے والوں اور ڈوبنے والوں نے اس کی تحلیل وتفصیل کی تو انسانوں کے لیے ان منافع کا ایک دریا بہہ پڑا جن کا تعلق انسان کے جوہر ذات اور اصل حقیقت سے ہے اور اسی سلسلہ کو ہم روحانی کائنات کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ (۹۵)

مولانا گیلانیؒ علم باطن کو روحانی تسکین کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ اور علم باطن کی بنیاد قرآن پاک کو قرار دیتے ہیں۔ قرآن پاک کے علاوہ علم کے حصول کو گمراہی سمجھتے ہیں۔ اگرچہ قرآن بعض لوگوں کے لیے گمراہی اور بعض کے لیے ہدایت کا ذریعہ ثابت ہوتا ہے۔ مولانا لکھتے ہیں:

''قرآن مجید ایک مستقل عالم ہے۔ اور کائنات مادی کے مقابلہ میں اس کے آیات وسور کائنات روحانی ہیں'' (۹۶)

مولانا گیلانیؒ علم ظاہری کو مادی کائنات قرار دیتے ہیں۔ جبکہ علم باطن کو روحانی کائنات سے تشبیہ دیتے ہیں مگر اس روحانی کائنات کی بنیاد قرآن پاک کی تعلیمات کو سمجھتے ہیں۔ وہ روحانیت کے قائل ہیں۔ روحانی زندگی کی اصلاح اور بگاڑ ان کے نزدیک ایک مستقل عمل ہے۔ جس طرح مادی زندگی رواں دواں ہے۔ اسی طرح روحانی زندگی کا کاروبار بھی جاری وساری ہے۔ مگر ان کے خیال میں اللہ تعالی نے جس طرح مادی زندگی کی اصلاح کے لیے تعلیمات مہیا کی ہیں۔ اسی طرح روحانی زندگی کی اصلاح کے لیے بھی قرآن پاک رہنمائی مہیا کرتا ہے۔

تصور شیخ:

تصوف میں شیخ کا مقام ومنصب غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔ اس اصلاح باطن اور تزکیۂ نفس کے منصب نبوت سے بھی اوپر ربوبیت کا درجہ دے دیا گیا ہے۔ چنانچہ اپنے حلقۂ ارادت میں اسے تصرف کا وسیع اور کلی اختیار حاصل ہے۔ (۹۷) صحبت شیخ کو اختیار کرنا اہل تصوف کے نزدیک فرض کے درجہ میں ہے۔ (۹۸)

شیخ ابوطالب مکی فرماتے ہیں:

"کسی عالم باللہ کی ہم نشینی ضروری ہے اور اس کی علامت یہ ہے کہ اسے سب پر ترجیح دی جائے" (۹۹)

شیخ ابونصر سراج طوسی نے اس کے بنیادی شرائط میں سے بتایا ہے کہ مرید کو اول مرحلہ میں اپنے سارے علم کو فراموش کر دینا چاہیے اور شیخ جو کچھ بتائے اسے قبول کرنا چاہیے اس کے بغیر شیخ کی صحبت کا خیال دل میں لانا عظیم غلطی ہو

گی۔(۱۰۰) یہ اس وجہ سے کہ سچا مرید بقول حضرت جنید وہ ہے جو علما کے علم سے بے نیاز ہو۔ (۱۰۱) تصور شیخ افراط و تفریط کا شکار رہا ہے۔بعض لوگوں نے اس کو افراط کے درجہ تک پہنچا دیا ہے۔مگر بعض کے نزدیک اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔مولانا گیلانیؒ ''مجذوب سالک'' تھے۔یعنی جذب الٰہی کی دولت پہلے ملی تھی' پھر مقامات سلوک طے فرمائے تھے۔اور اس غرض کے لیے دوران طالب علمی ہی میں شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ کے دست گرفتہ ہو گئے تھے۔(۱۰۲)

مولانا نے بیعت اختیار کیوں کی دراصل انہوں نے محسوس کیا تھا کہ کچھ باطنی روگ لگے ہوئے ہیں ان کا ازالہ ضروری ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمارا ایمان جن شکوک وشبہات کا پامردی سے مقابلہ کر رہا ہے وہ کبھی ہمیں زیر کر دینے میں کامیابی حاصل کر لے۔اور ہم مغلوب ہو جانے پر مجبور ہوں۔(۱۰۳) مولانا گیلانی کو مرشد اول سے استفادہ کا مکمل موقع تو نہ مل سکا کیونکہ وہ انگریزی حکومت کے جبر کا نشانہ بن کر مالٹا بھجوا دیے گئے۔مگر مولانا میں تصوف کا ذوق وہبی تھا۔اس لیے وہ کسی آن راہ طریقت وسلوک سے غیر متعلق نہیں رہے۔شیخ اکبر ابن عربی اور مولانا جلال الدین رومی اور ان دونوں کی کتابوں ''فتوحات مکیہ'' اور مثنوی مولوی معنوی سے گہرا لگاؤ اور تعلق تھا اور اخیر زندگی میں مجالس الشیخین کے عنوان سے مولانا گیلانیؒ نے مستقل مضمون کا سلسلہ بھی شروع کر رکھا تھا۔اور بڑی دلچسپی سے بیان فرماتے تھے کہ آج شیخ اکبر یا مولانا رومی کی مجلس میں حاضر ہوا۔(۱۰۴) مولانا کا نظریہ تصور شیخ کے بارے میں اسلام کے اصولوں کے تابع ہی تھا۔اس کو صحبت اور رہنمائی کی حیثیت سے دیکھتے تھے تا کہ قرآن وسنت اور روحانی تسکین میں آسانی پیدا ہو سکے۔مولانا گیلانیؒ شیخ ابوطالب مکی کے فرمان کے مطابق شیخ کو ہر ایک پر ترجیح نہیں دیتے اور نہ ہی شیخ ابونصر سراج طوسی کی اس بات کے قائل ہیں کہ مرید کو اول مرحلہ میں اپنے سارے علم کو فراموش کر دینا چاہیے۔ بلکہ ان کے نزدیک تصور شیخ کی بجائے ''صحبت شیخ'' کی اصطلاح استعمال کرنا زیادہ موزوں ہے۔لیکن جہاں شیخ کی صحبت قرآن وسنت کی تعلیمات سے دور لے جا رہی ہو وہاں اس کا ترک کر دینا ہی بہتر ہے۔ بلکہ ایسی صحبت سے بچنا زیادہ بہتر ہے۔

مولانا گیلانیؒ شیخ ابن عربیؒ سے متاثر تو ضرور رہیں۔خاص طور پر ان کے نظریۂ علم کے بارے میں ان کے نظریات بڑے مثبت ہیں۔مگر ولایت اور ختم ولایت کی حمایت کہیں نظر نہیں آتی۔ولایت اور ختم ولایت کا نظریہ جن لوگوں نے پروان چڑھایا ہے ان کے علم وراثت یا علم تصوف کے متعلق اس نقطۂ نظر سے اس بات کا کسی قدر اندازہ ہو سکتا ہے کہ ایک مخصوص طبقہ کو دین میں غیر معمولی اہمیت دینے سے اہل تصوف کا مقصد کیا ہو سکتا ہے۔اور اس مسلم ذہن اور سماج پر کیا اثرات ونتائج مرتب ہو سکتے ہیں۔ یقیناً ان نظریات کو ظلمت وجہالت پر محمول کیا جا سکتا ہے۔

حاصل بحث:

قرآن پاک کے ارشاد، ﴿ قَدْ أَفْلَحَ مَن تَزَكَّى ﴾ (۱۰۵) کے مطابق دنیا وآخرت میں انسان کی فلاح و

نجات تزکیہ نفس پر ہی موقوف ہے۔اس لیے راہ حق کے سالک کے لیے یَا أَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْ إِلَی رَبِّکِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً (۱۰۶) کی منزل ہی سب سے اعلیٰ اور منزل مطلوب ہے۔مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے خیال میں تزکیہ کا مفہوم یہ ہے کہ نفس کو بری صفات سے پاک کیا جائے اور اچھی صفات کی آبیاری سے اس کو نشو ونما دی جائے۔(۱۰۷)

سید ابوالحسن علی ندویؒ بھی اسی طرح کے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"تزکیہ سے مراد انسانی نفوس کی اعلیٰ اخلاق سے آراستہ اور رذائل سے پاک صاف کرنا ہے(۱۰۸) شریعت انسان کا تعلق خدا کے ساتھ جوڑتی ہے تو اس میں اصلی نصب العین اور مطمح نظر یہ ہے کہ بندہ اپنے ظاہر و باطن، دونوں میں خدا کی صفات کے تقاضوں کے مطابق بن جائے۔شریعت میں بندے کے لیے کمال کا سب سے بڑا درجہ یہی ہے۔ اس کے بعد اگر کمال کا کوئی درجہ ہے تو وہ نبوت کا درجہ ہے۔لیکن وہ اکتسابی چیز نہیں، بلکہ وہبی ہے، جبکہ صوفیانہ مجاہدہ وریاضت کا اصلی مقصود یہ نہیں ہوتا کہ آدمی عبدیت کا کمال درجہ حاصل کر لے بلکہ سارا زور اس بات پر صرف ہوتا ہے کہ آدمی خدا کی صفات کا اس طرح مظہر بن جائے کہ قطرہ دریا میں ضم ہو جائے اور دوئی اور تفرقہ کے سارے نشانات مٹ جائیں ظاہر ہے۔یہ مطمح نظر شریعت کے اس مطمح نظر سے بالکل مختلف ہے شریعت آدمی کو بندہ بنانا چاہتی ہے اس کے برعکس تصوف میں آدمی اپنے آپ کو الٰہ بنانے کی کوشش کرتا ہے" (۱۰۹)

مولانا گیلانیؒ مجذوب سالک تھے۔جذب الٰہی کی دولت سے مالا مال تھے۔صوفی باصفا تھے۔ساری زندگی ان کی کیفیت یہی رہی ارادت بھی اختیار کی تھی۔کشف کی دولت سے اللہ تعالیٰ نے انہیں نوازا تھا۔روحانی طور پر شیخ اکبر محی الدین ابن عربی،اور مولانا جلال الدین رومی سے متاثر تھے۔اخیر عمر تک ان کے افکار کا مطالعہ ان کی زندگی کا حاصل تھا۔فتوحات مکیہ اور مثنوی معنوی ان کے بستر کے سرہانے والی الماری میں ہر وقت موجود رہتی تھیں۔ان کے مطالعہ سے انہیں روحانی تسکین حاصل ہوتی تھی ساری زندگی صوفیانہ طرز پر گذاری۔لیکن جب ہم ان کے افکار کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس میں ان کی عملی زندگی والا رنگ نظر نہیں آتا۔بلکہ تصوف کے بارے میں علما کی معروف رائے سے متفق نظر آتے ہیں تصوف کا نام تو لیتے ہیں لیکن اس کا مفہوم تزکیہ نفس ہی کے طور پر اختیار کرتے ہیں۔ارادت اور سلاسل کے بحث میں ان کی وکالت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔مگر لوگوں کے اصرار کے باوجود خود خلافت کا سلسلہ آگے نہیں بڑھاتے بلکہ اس کو اپنے اوپر ایک ذمہ داری اور بوجھ تصور کرتے ہیں۔فقر وزہد کے بارے میں شیخ علی ہجویری کے اس خیال کے علی الرغم ان کی زندگی نظر آتی ہے جس میں انہوں نے کہا تھا کہ ''خدمت خلق کے سوا تمام چیزوں سے دل کے فارغ ہونے کا نام فقر ہے (۱۱۰) بلکہ اس کے لیے وہ ایک نارمل (Normal) انسان کی طرح زندگی گزارتے ہیں۔

مجاہدہ کے لیے صوفیا کے طرز عمل اور مخالفت نفس کے اصول کو اپنانے کے خلاف ہیں بلکہ اس پر تنقید کرتے ہیں مگر

تزکیہ نفس کے لیے قرآن سنت کی روشنی میں تجویز کردہ اصولوں کی حمایت میں دلائل دیتے ہیں مگر یہ ضرور خیال کرتے ہیں باطنی صفائی کے لیے الگ سے کچھ کرنا عین فطری عمل ہے۔

تزکیہ نفس جیسی خالص اسلامی اصطلاح کو بھی استعمال کرتے ہیں بلکہ تصوف کے مختلف سلاسل کے بانیوں کی زندگیوں اورفکر سے یہ ثابت کرتے ہیں۔انہوں نے تزکیہ نفس اور باطنی تطہیر کے عمل کے لیے قرآن پاک کو بنیاد بنایا تھا۔ذکرواذکار کے قرآنی مفہوم کے حق میں دلائل دیتے ہیں۔مگر مراقبہ کو بھی حلاوت ایمانی کے لیے ضروری قرار دیتے ہیں۔ذکر کے دوران کشف کی علامتوں کے ظہور کے بارے میں ان کی رائے ہے۔

غلبہ ذکر سے جو یکسوئی پیدا ہوتی ہے بسااوقات اس کی وجہ سے کشف وکرامات جیسی چیزوں کا صدور ہونے لگتا ہے۔(۱۱۱) مشاہدہ حق کے سلسلے میں ان کی رائے بالکل صاف ہے کہ انسان خدااوران کی قدرتوں کا مشاہدہ کرسکتا ہے۔اس سلسلہ میں وہ شیخ ابن عربیؒ کے نظریات کے حامی نظر آتے ہیں۔اسی طرح مولانا گیلانیؒ روحانی کائنات کا تصور بھی دیتے ہیں۔اوراس کو مادی زندگی کے متوازی قرار دیتے ہیں اس لحاظ سے وہ باطنی علم کے تصور کے حق میں ہیں۔مگرایسا علم ان کے نزدیک جہالت یا شیطانیت پرمبنی ہے جو انسان کو شریعت سے دور لے جائے۔وہ علم باطن کو روحانی تسکین کا ذریعہ سمجھتے ہیں مگروہ شیخ ابوطالب مکی کے اس فلسفہ کے خلاف ہیں جس میں انہوں نے عالم باللہ کی ہم نشینی کو ضروری بتایا ہے اوراس کو سب پر ترجیح دی ہے اور نہ ہی وہ علماء کے علم سے بے نیازی کے حضرت جنید بغدادی کے فلسفہ کے حامی ہیں۔بلکہ وہ تو خود عالم دین تھے۔اساسی علوم پرانہوں نے مستند موادفراہم کیا ہے۔ولایت اورختم ولایت کے ابن عربی کے فلسفہ کی حمایت ان کی تحریروں میں نظرنہیں آتی لیکن ان کے افکار سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ اس غیرقرآنی تصور کولائق اعتنانہیں سمجھتے تھے۔

درج بالا بحث سے یہ بات واضح ہوتی نظر آتی ہے کہ وہ عملی زندگی میں صوفی تھے یعنی تصوف کے رنگ میں رنگے ہوئے نظرآتے تھےمگران کے افکار میں تصوف کے فلسفہ کی کھل کرحمایت نظرنہیں آئی۔لیکن تصوف کے حامی ضرور تھے اس وجہ سے انہوں نے تصوف کے اختلاف سلاسل کو فقہی اختلافات کے سلاسل سے تشبیہ دی تھی کہ جس طرح فقہ کے مذاہب کو تسلیم کیا جاتا ہے اسی طرح تصوف کے مختلف سلاسل کی بھی یہی نوعیت تھی اس کو وہی حیثیت دی جانی چاہیے۔مولانا گیلانیؒ کے خیال میں جو حیثیت فقہ اورفقہا کی ہے وہی حیثیت تصوف اورصوفیا کی ہے۔(۱۱۲)

مولانا گیلانیؒ کا یہ نقطہ نظر تصوف کی تعبیر جدید ہے انہوں نے تصوف کا نیا رنگ دیا ہے تصوف کے مخالفین کے لیے درمیانی راہ تجویز کی ہے ملا اورصوفی کے اختلاف کو کم سے کم کرنے کی کوشش کی ہے۔اختلاف سلاسل کو نوعیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"ٹھیک جیسے فقہ میں باوجود اختلافات کے حنفی،شافعی،مالکی،حنبلی مکاتب خیال،اہل سنت یا اہل حق ہی کا مکاتب

خیال سمجھے جاتے ہیں اسی طرح قادری، نقش بندی، سہروردی اور چشتی وغیرہ صوفیوں کے ان مختلف طرق وسلاسل کے متعلق یہی باور کیا جاتا ہے" (۱۱۳)

اس طرح مولانا گیلانیؒ تصوف کو بدعت قرار نہیں دیتے بلکہ درجہ احسان پر پہنچنے کی ایک کوشش اور جدوجہد قرار دیتے ہیں جس طرح فقہاء نے اپنی فکرودانش کی بنیاد پر مسائل کا حل قرآن سنت سے اخذ کرنے کا فریضہ سرانجام دیا اسی طرح اہل تصوف نے احسان جیسی عظیم منزل کے حصول کی راہ میں حائل رکاوٹوں کو دور کر کے کی اپنی سی کوشش کی ہے۔

مولانا اسماعیل شہیدؒ اپنی کتاب عبقات میں لکھتے ہیں:

"اجتہاد کا کاروبار ہمارے نزدیک صرف اسی فن کے ساتھ مختص نہیں ہے جس کا اصطلاحی نام فقہ رکھ دیا گیا بلکہ ہر (دینی) فن میں لوگون نے اجتہاد سے کام لیا ہے۔ البتہ شریعت میں جن امور کی تصریح کی گئی ہے ان کے ساتھ ان مسائل اور قوانین کو مربوط کرنے میں جن کا تصریحی ذکر شرعی نصوص میں نہیں ملتا یعنی مسکوت کو منطوق کے ساتھ مربوط کرنے میں ہر فن کے لوگوں کا خاص خاص طریقہ ہے" (۱۱۴)

حضرت شاہ اسماعیل شہید کی اسی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے مولانا گیلانی لکھتے ہیں۔

"یہ وہی بات ہے جیسے علامہ شعرانی بصری نے بھی بیان کی ہے مولانا شہید نے اسی بنیاد پر لکھا ہے کہ فقہا کے پیدا کیے ہوئے قیاسی نتائج کو شرعی علوم میں شمار کیا جاتا ہے لیکن ائمہ صوفیہ نے شرعی نصوص ہی سے جن مسائل کا استنباط کیا ہے ان پر ''بدعت'' وغیرہ کے الفاظ کا اطلاق آخر کیسے درست ہوسکتا ہے؟" (۱۱۵)

حضرت شاہ اسماعیل شہید اس کو مزید وضاحت سے بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"یعنی فقہ ہو یا تصوف یا کلام یہ سارے علوم شرعی علوم ہی ہیں اور ان دینی علوم کے سارے ائمہ کی تائید غیب سے کی گئی ہے ان کی تقلید کرنے والے حق ہی کے پیرو ہیں" (۱۱۶)

شاہ اسماعیل شہیدؒ نے اپنی کتاب عبقات میں ملّا اور صوفی کی بحث کے بارے میں اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

"مذکورہ بالا دینی علوم جن میں تصوف بھی شریک ہے ان میں کسی فن والے دوسرے فن والوں کا جو انکار کرتے ہیں مثلاً ملا صوفیوں پر معترض ہیں یا صوفیہ ملّاوں سے روٹھے ہوئے ہیں۔ یہ ساری باتیں صرف غفلت سے پیدا ہوئی ہیں۔ یعنی ہر فن والے کی دوسرے فن والوں کے مبادی اور مقاصد سے ناواقفیت کا یہ نتیجہ ہے۔ اسی لیے (مولوی لوگ صوفیہ کی باتوں کو) کبھی کبھی بدعت کہہ دیتے ہیں" (۱۱۷)

مولانا گیلانیؒ اپنی تصنیف مقالات احسانی میں اپنے موقف کی تائید میں حضرت اسماعیل شہید کے بیانات کو پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"تصوف ہی کی کیا خصوصیت ہے فقہ کے بھی سارے مسائل کو پیش نظر رکھ کر ائمہ فقہ نے جیسے غیر مصرحہ مسائل پیدا کیے ہیں ائمہ صوفیہ نے بھی یہی کیا ہے" (۱۱۸)

یہاں مولانا گیلانیؒ تصوف کے حق میں دلائل دیتے ہیں اور ان کا موقف یہ ہے کہ تصوف دراصل ان طریقوں کا نام ہے جن کے کرنے سے احسان کی منزل حاصل ہوتی ہے اس ضمن میں وہ لکھتے ہیں:

"جب فقہی جزئیات کو بدعت کہنا جیسے صحیح نہیں ہے اسی طرح صوفیہ کے پیدا کیے ہوئے اجتہادی نتائج پر بے دھڑک ''بدعت'' کا ہتھیار چلا دینا خود سوچنا چاہیے کہ کس حد تک درست ہوسکتا ہے" (۱۱۹)

یہ ایک نقطہ نظر ہے جس کی تائید علماء کا ایک طبقہ کرتا ہے چنانچہ جس تصوف کی تائید علماء کا یہ طبقہ کرتا ہے جس میں مولانا گیلانی بھی شامل ہیں ان کے ہاں تصوف کا وہ نکھرا ہوا طریقہ ملتا ہے جس میں مکمل طور پر شریعت کے اصولوں کی پابندی ہے مولانا رشید احمد گنگوہی سے ایک دفعہ ایک شخص نے کہا کہ آپ مجلس مولود میں شرکت کرنے سے منع کرتے ہیں جبکہ آپ کے شیخ حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی خود محافل مولود میں شریک ہوتے ہیں مولانا نے فرمایا۔

"ہم نے طریقت میں حاجی صاحب سے بیعت کی ہے شریعت میں وہ بھی ہمارے پابند ہیں" (۱۲۰)

تصوف ایک ایسا مبارک علم ہے کہ جو مخلوق اور خالق کے رشتہ عبودیت کو مضبوط اور مستحکم کرتا ہے چنانچہ تمام اہل سلوک اس بات پر متفق ہیں کہ عبودیت کا اعلیٰ درجہ احسان ہے جو حدیث جبرائیل میں مذکور ہے۔ یہ کیفیت کسی بندے کو نصیب ہوجائے تو پھر اسے تصوف کی دقیق ابحاث سے کوئی غرض نہیں (۱۲۱) مولانا گنگوہی ایک مقام پر لکھتے ہیں:

"صحابہ کرام کے سلوک میں استحضار الٰہی ہی مقصود تھا جو ان حضرات کو اعلیٰ درجہ پر حاصل تھا لہٰذا کشف الحقائق اور حقیقت وغیرہ جیسی ابحاث کا وہاں وجود نہیں تھا" (۱۲۲)

اسی طرح علما کا ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو تصوف کی روح کے تو شاید خلاف نہ ہوں، لیکن اس کے مروجہ طریقوں اور شریعت سے ہٹی ہوئی باتوں کو سخت ناپسند کرتے ہیں ان میں سید ابوالحسن علی ندوی، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا امین احسن اصلاحی جیسے کئی علما شامل ہیں چنانچہ مولانا اصلاحی لکھتے ہیں:

"اس مطالعہ سے میں اس نتیجہ تک پہنچا ہوں کہ تصوف کا اکثر حصہ قرآن وسنت کے بالکل خلاف ہے اس نے توحید اور آخرت کی بنیادیں ہلا دی ہیں مسلمانوں کو بدعات کے گورکھ دھندے میں ڈال دیا ہے۔ جو چیز عقاید کی بنیادیں ہلا دے اس کو آپ قرآن سے نہیں جوڑ سکتے اس کے لئے ایک ہی طریقہ ہے کہ بحثیت مسلمان قرآن کو کسوٹی مانیں اور تصوف کو اس پر پرکھیں اور اتنے حصے کو مان لیں جو کسوٹی پر پورا اترتا ہو" (۱۲۳)

یہ بات اپنے طور پر بالکل صحیح ہے کہ تصوف کی روح یعنی حصول احسان قابل اعتراض نہیں مگر اس میں بعض خرافات اس طرح سے پیدا ہوگئیں جنہوں نے اس کا حلیہ بگاڑ دیا۔ تصوف تو ایک مقدس علم ہے۔ جو سالک کو وصول الی اللہ

جیسی عظیم نعمت سے نوازتا ہے اس علم کے بنیادی اصول تو کتاب وسنت سے مستنبط ہیں مگر وقت کے ساتھ ساتھ اس میں غیر اسلامی اور غیر شرعی نظریات کی آمیزش ہوتی چلی گئی۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی لکھتے ہیں:

"لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ چوتھی صدی ہجری کے بعد مسلمانوں میں غیر اسلامی تصوف بھی راہ پا گیا اور یہ تصوف چونکہ عجمی یا غیر اسلامی تھا اس لیے اس کے اجزائے ترکیبی اسلامی تصوف کی ضد تھے۔" یعنی

۱۔ شرک (حلول واتحاد وانسان پرستی وتجسیم وتناسخ ارواح) ۲۔ رہبانیت

۳۔ تخریب دین ۴۔ اباحیت مطلقۃ

۵۔ نفاق مداہنت (۱۲۴)

ہر دور کے صوفیاء علماء اور مشائخ ان نظریات کی بیخ کنی میں مصروف رہے ہیں امام ابن تیمیہؒ اور ابن قیم سے لے کر مولانا اشرف علی تھانویؒ تک کے علماء اس علم کو ان آلائشوں سے پاک کرنے میں سرگرم رہے۔ مولانا گیلانیؒ بھی دراصل اسی تصور تصوف کے قائل ہیں جو شریعت کے اندر رہ کر سرانجام دیا جائے۔ وہ پاک صاف اور صاف ستھرا تصوف اپنے دل میں محسوس کرتے تھے۔ چنانچہ اپنے افکار کا مدعا بیان کرتے ہوئے مولانا گیلانی لکھتے ہیں:

"میرا اصل مقصود یہ ہے کہ کائیناتی آثار جو خدا اور بندوں کے درمیان حائل ہیں ان کی مزاحمت کیے بغیر حق تعالیٰ کے وجود کا دوام مشاہدہ اور یہ کہ اپنے وجود کے ساتھ قیام وبقاء کا خیال، غلط خیال جو دلوں میں پایا جاتا ہے۔ چاہتے ہیں کہ اس خیال کو ہٹا کر حق تعالیٰ ہی کے وجود کے ساتھ ان کی ذات کی بقا وابستہ ہو جائے۔ یہی ان کی بیعت کا نصب العین ہوتا ہے۔ کیا اس نصب العین کے حصول کے لیے ان جسمانی ونفسانی ریاضتوں اور مجاہدوں کی ضرورت ہے جن کے بغیر بیعت طریقت کے نصب العین کو آدمی حاصل نہیں کر سکتا؟" (۱۲۵)

ظاہر ہے کہ کچھ ریاضتوں کے کرنے کے لیے کسی رہنما کی ضرورت ہوگی۔ چنانچہ پیر یا مرشد کا کام یہی ہے اس بارے میں مولانا گیلانی شاہ رفیع الدین کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"تاکہ پیر کی امداد اور راہنمائی سے ایسی مشکلات حل ہو جائیں اور تردد ورشک وشبہ وغیرہ کی ان کیفیتوں کا ازالہ ہو جائے جو عام بشری فطرت کے لوازم ہیں" (۱۲۶)

چنانچہ مولانا گیلانیؒ شاہ رفیع الدین کی بیان کردہ بیعت حقیقت کی وضاحت کرتے ہوئے اس کی بھرپور تائید بھی کرتے ہیں لکھتے ہیں:

"یہ دعویٰ غالباً بے جا نہیں لیکن بیعت حقیقت کی جو غرض وغایت ہے انصاف سے اگر کام لیا جائے تو شاید مقام احسان کا صحیح مصداق ہم اسی کو قرار دے سکتے ہیں" (۱۲۷)

یعنی حصول منزل احسان ہی مقصود ہے جس کے لیے مولانا گیلانیؒ تصوف کے قائل ہیں انکی عملی زندگی اسی کا عکس

نظر آتی ہے۔ افکار و نظریات میں وہی نکھار ہے جو ایک صحیح العقیدہ عالم دین کے قلم سے توقع لگائی جا سکتی ہے مگر بعض ایسی چیزیں جو شاید شیخ ابن عربی اور مولانا جلال الدین رومی کے افکار کا اثر ہے ان میں ضرور ایسی پیدا ہو گئی تھیں جس پر تحفظات کا اظہار کیا جا سکتا ہے۔

حواشی و حوالہ جات

۱۔ الازہری، عبدالصمد صارم، تاریخ تصوف، ادارہ علمیہ، لاہور، ۱۹۶۹ء، ص ۲۶.

۲۔ عبدالصمد الازہری، تاریخ تصوف، ص ۲۸.

۳۔ عبدالصمد الازہری، تاریخ تصوف، ص ۳۵.

۴۔ رکن الدین، مولانا، مقابین المجالس، مترجم کینان واحد بخش سیال، اسلامک بک فاؤنڈیشن، لاہور، ۱۹۷۹ء، ص ۶۸۸.

۵۔ ابواللیث، صدیقی، ڈاکٹر اقبال اور مسلک تصوف، اقبال اکادمی، لاہور، ۱۹۷۷ء، ص ۳۶.

۶۔ مولانا رکن الدین، مقابین المجالس، ص ۶۸۸.

۷۔ روبینہ ترین، ڈاکٹر، تصوف، تعریف، تاریخ، اصطلاحات، ۲۰۰۱ء، ص ۴۷.

۸۔ ایضاً ص ۵۲. ۹۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، تزکیۂ و احسان، تصوف و سلوک، ص ۹۳.

۱۰۔ تصوف، تعریف، تاریخ، اصطلاحات، ص ۶۰. ۱۱۔ ایضاً ص ۶۲.

۱۲۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ۱۹۸۰ء، ج ۱۴/۱، ص ۱۲۳-۱۲۴.

۱۳۔ صدق جدید، ہفت روزہ لکھنؤ، ۲۵ دسمبر ۱۹۵۹ء. ۱۴۔ صدق جدید، ہفت روزہ لکھنؤ (بھارت)، ۲۵ دسمبر ۱۹۵۹ء.

۱۵۔ برہان، ماہنامہ، دہلی (بھارت)، اپریل ۱۹۶۰ء، ص ۵۶-۲۵۵.

۱۶۔ گیلانی مناظر احسن، مولانا، سیدؐ کائنات روحانی ' دیوبند ' کتب خانہ القاسم ' ص ۱۰.

۱۷۔ مولانا مفتاحی، حیات مولانا گیلانی، ص ۲۴۷ ۱۸۔ مولانا گیلانی، احاطہء دارالعلوم میں بیتے ہوئے دن، ص ۲۷.

۱۹۔ ایضاً ص ۲۷. ۲۰۔ ایضاً ص ۱۶۴.

۲۱۔ مقالاتِ احسانی، ص ۱۷. ۲۲۔ ایضاً ص ۱۷.

۲۳۔ مولانا مفتاحی، حیاتِ مولانا گیلانی، ص ۲۴۹. ۲۴۔ ایضاً ص ۲۵۰.

۲۵۔ مقدمہ مقالاتِ احسانی، ص ۱۷. ۲۶۔ حیات مولانا گیلانی، ص ۲۵۰.

۲۷۔ مولانا مفتاحی، حیاتِ مولانا گیلانی، ص ۲۵۰. ۲۸۔ مقدمہ مقالاتِ احسانی، ص ۱۸.

۲۹۔ منت اللہ رحمانی، مکاتیب گیلانی، ص ۲۳۴. ۳۰۔ مولانا مفتاحی، حیات مولانا گیلانی، ص ۲۵۱.

۳۱۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، پرانے چراغ، حصہ دوم، ص ۶۴.

۳۲۔ مولانا مفتاحی، حیات مولانا گیلانی، ص ۲۵۲. ۳۳۔ مقدمہ مقالات احسانی، ص ۱۹.

۳۴۔ منت اللہ رحمانی، مکاتیب گیلانی، ص
۳۵۔ مولانا مقتاحی، حیات مولانا گیلانی، ص۲۵۴، ۲۵۳ .
۳۶۔ ایضاً، ص۲۵۵.
۳۷۔ معارف، ماہنامہ، اعظم گڑھ (بھارت)، مکتوب بنام سید سلیمان ندویؒ، ۱۲ اپریل ۱۹۴۲ء
۳۸۔ مقالاتِ احسانی، ص۲۳۸.
۳۹۔ معارف ، ماہنامہ، اعظم گڑھ، (بھارت)، مارچ، ۱۹۶۳ء.
۴۰۔ مکاتیب گیلانی، ص۸۷.
۴۱۔ دریابادی، عبدالماجد، مولانا، وفیات ماجدی یا نثری مرثیے، مجلس نشریات اسلام، کراچی، س ن، ص۷۹.
۴۲۔ الرسالۃ القشیریہ، ص۱۶۰.
۴۳۔ کشف المحجوب، ص۲۰.
۴۴۔ ملا علی قاری، موضوعات کبیر، لاہور، ۱۳۰۲ھ/۱۸۸۵ء.
۴۵۔ جامی، نورالدین عبدالرحمٰن، مولانا، لوائح، تہران اسفند ماہ، ۱۳۴۲ھ/۱۹۲۴ء، ص۱۹.
۴۶۔ ابن تیمیہ، مجموع فتاویٰ، یازدہم، ریاض، ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء، ص۱۱۷-۱۱۶.
۴۷۔ مقالاتِ احسانی، ص۲۷۶.
۴۸۔ مقالاتِ احسانی، ص۲۷۶.
۴۹۔ ایضاً، ص۲۷۷.
۵۰۔ صدق جدید، بابت ۳۰ رمضان ۱۳۷۵ھ/۱۱ مئی ۱۹۵۶ء.
۵۱۔ ایضاً
۵۲۔ الرسالۃ القشیریہ، ص۶۲.
۵۳۔ قوت القلوب، چہارم جلد، ص۴۴.
۵۴۔ الرسالۃ القشیریہ، ص۸۵.
۵۵۔ کشف المحجوب، ص۲۸۲.
۵۶۔ مولانا گیلانی، پاک و ہند مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت، ص۱۰۵، ج ۲.
۵۷۔ ایضاً، ص۱۰۷.
۵۸۔ مولانا گیلانی، پاک و ہند میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت، ج ۲، ص۱۰۹.
۵۹۔ مولانا گیلانی، پاک و ہند میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت، ج ۲، ص۱۱۰.
۶۰۔ کشف المحجوب، ص۱۷۵؛ عوارف المعارف دوم، ص۸۴.
۶۱۔ کشف المحجوب، ص۱۷۸
۶۲۔ ایضاً، ص۷۷۶.
۶۳۔ الرسالۃ القشیریہ، ص۵۷: عوارف المعارف، دوم ص۸۶
۶۴۔ کشف المحجوب، ص۱۷۸.
۶۵۔ ایضاً، ص۱۸۵.
۶۶۔ ایضاً، ص۱۸۶، ۱۸۷.
۶۷۔ کشف المحجوب، ص۲۸۴.
۶۸۔ غزالی، ابو حامد محمد، حجۃ الاسلام، امام، احیاء علوم الدین، مصر، ۱۳۴۴ھ/۱۹۲۵ء، ج سوم، ص۵۴.
۶۹۔ مولانا گیلانی، پاک و ہند میں مسلمانون کا نظام تعلیم و تربیت، ج ۲، ص۹۸.
۷۰۔ ڈاکٹر غلام محمد، مقالاتِ احسانی، ص۳۱.
۷۱۔ ایضاً
۷۲۔ تصوف ایک تجزیاتی مطالعہ، ص۹۸.
۷۳۔ شاہ محدث دہلوی، ہوامع شرح حزب البحر، دہلی ۱۳۲۱ھ، ص۲۳، ۲۴.
۷۴۔ مولانا گیلانی، پاک و ہند میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت، ج ۲، ص۱۲۹.
۷۵۔ مولانا گیلانی، پاک و ہند میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت، ج ۲، ص۱۲۹.
۷۶۔ ایضاً
۷۷۔ مولانا گیلانی، پاک و ہند میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت، ج ۲
۷۸۔ کشف المحجوب، ص۲۸۹.
۷۹۔ ایضاً، ص۲۸۹.
۸۰۔ قوت القلوب، اول، ص۱۴۱.
۸۱۔ قوت القلوب، اول، ص۱۴۲.
۸۲۔ مقالاتِ احسانی، ص۲۹۸.
۸۳۔ مقالات احسانی، ص۲۹۹.
۸۴۔ تصوف، ایک تجزیاتی مطالعہ، ص۱۲۷.

۸۵۔ امام غزالی' احیاء علوم الدین' مصر' ۱۳۳۴ھ/ ۱۹۱۶ء، ج۱، ص۱۹. ۸۶۔ ایضاً ص۱۹.
۸۷۔ ایضاً ص۱۹
۸۸۔ تھانوی، اشرف علی' مولانا' التکشف عن مہمات التصوف' حیدر آباد دکن، س ن' ص۱۱۴.
۸۹۔ ایضاً ص۳۷
۹۰۔ الشاہ ولی اللہ' الدہلوی' التفہیمات الالہیہ' المجلس العلمی ڈابھیل، مدینہ پریس بجنور، سورت، ۱۹۳۶ء، ج دوم' ص۲۸.
۹۱۔ ابن الجوزی' امام' ابوالفراج عبدالرحمٰن' تلبیس ابلیس' قاہرہ، ۱۹۵۰ء' ص۳۷۴.
۹۲۔ ابن تیمیہ' مجموعہ فتاویٰ' ریاض' ۱۳۸۲ھ/ ۱۹۶۳ء، یازدہم، ص۲۲۵.
۹۳۔ مولانا مفتاحی، حیات گیلانی، ص۲۴۷. ۹۴۔ کائناتِ روحانی ص۸
۹۵۔ کائنات روحانی، ص۱۱. ۹۶۔ ایضاً ص۱
۹۷۔ کشف المحجوب، ص۲۹۵. ۹۸۔ ایضاً ص۲۹۵
۹۹۔ قوت القلوب، ج اول، ص۱۴۱. ۱۰۰۔ کتاب اللمع ص۴۱۶
۱۰۱۔ الرسالۃ القشیریہ، ص۱۲۱. ۱۰۲۔ مقالات احسانی، ص۱۷
۱۰۳۔ مولانا مفتاحی، حیاتِ مولانا گیلانی ص۲۴۸. ۱۰۴۔ ایضاً ص۲۴۸
۱۰۵۔ الاعلیٰ: ۱۴ ۱۰۶۔ الفجر: ۲۷
۱۰۷ مودودی، ابوالاعلیٰ، سید، مولانا، تصوف اور تعمیر سیرت، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، ۱۹۷۷ء، ص۶۲.
۱۰۸۔ ندوی، ابوالحسن علی، سید، تزکیہ واحسان یا تصوف وسلوک، (مرتب عاصم نعمانی) ص۱۵.
۱۰۹۔ اصلاحی، امین احسن مولانا، تزکیہ نفس، فیصل آباد، ملک برادرز تاجران کتب، س ن، ج۱، ص۳۴-۳۵.
۱۱۰۔ شیخ علی ہجویری، کشف المحجوب، ص۲۰.
۱۱۱۔ مولانا گیلانی، پاک وہند میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت، ج۲، ص۱۲۹.
۱۱۲۔ مولانا گیلانی، کائنات روحانی، ص۳۵. ۱۱۳۔ مولانا گیلانی، مقالاتِ احسانی، ص۳۶.
۱۱۴۔ شاہ اسماعیل شہید، عبقات (مترجم: مولانا مناظر احسن گیلانی)، اللجنۃ العلمیہ، حیدر آباد، (بھارت) س ن، ص۳۲۰۹.
۱۱۵۔ مقالاتِ احسانی، ص۳۳۹. ۱۱۶۔ ایضاً
۱۱۷۔ مولانا گیلانی، مقالاتِ احسانی، ص۳۵. ۱۱۸۔ ایضاً ص۳۵.
۱۱۹۔ مولانا گیلانی، مقالات احسانی، ص۳۵.
۱۲۰۔ میرٹھی، عاشق الٰہی، تذکرۃ الرشید، ادارہ اسلامیات، لاہور، ۱۹۸۶ء، ج۲، ص۲۸۷.
۱۲۱۔ عاشق الٰہی، (مرتب)، مکاتیب رشید میرٹھی، ادارہ اسلامیات، لاہور، ۱۹۹۴ء، ص۵۸.
۱۲۲۔ ایضاً
۱۲۳۔ اصلاحی، امین احسن، مولانا، مراسلہ ومذاکرہ، تدبر سہ ماہی، فروری، ۱۹۸۳ء، ش۶، ص۴۸۴۷.
۱۲۴۔ چشتی، یوسف سلیم، پروفیسر، اسلامی تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش، انجمن خدام القرآن، لاہور، ۱۹۸۳ء، ص۹.
۱۲۵۔ مولانا گیلانی، مقالاتِ احسانی، ص۶۰. ۱۲۶۔ ایضاً ص۶۰-۶۱.
۱۲۷۔ مولانا گیلانی، مقالات احسانی، ص۶۱.